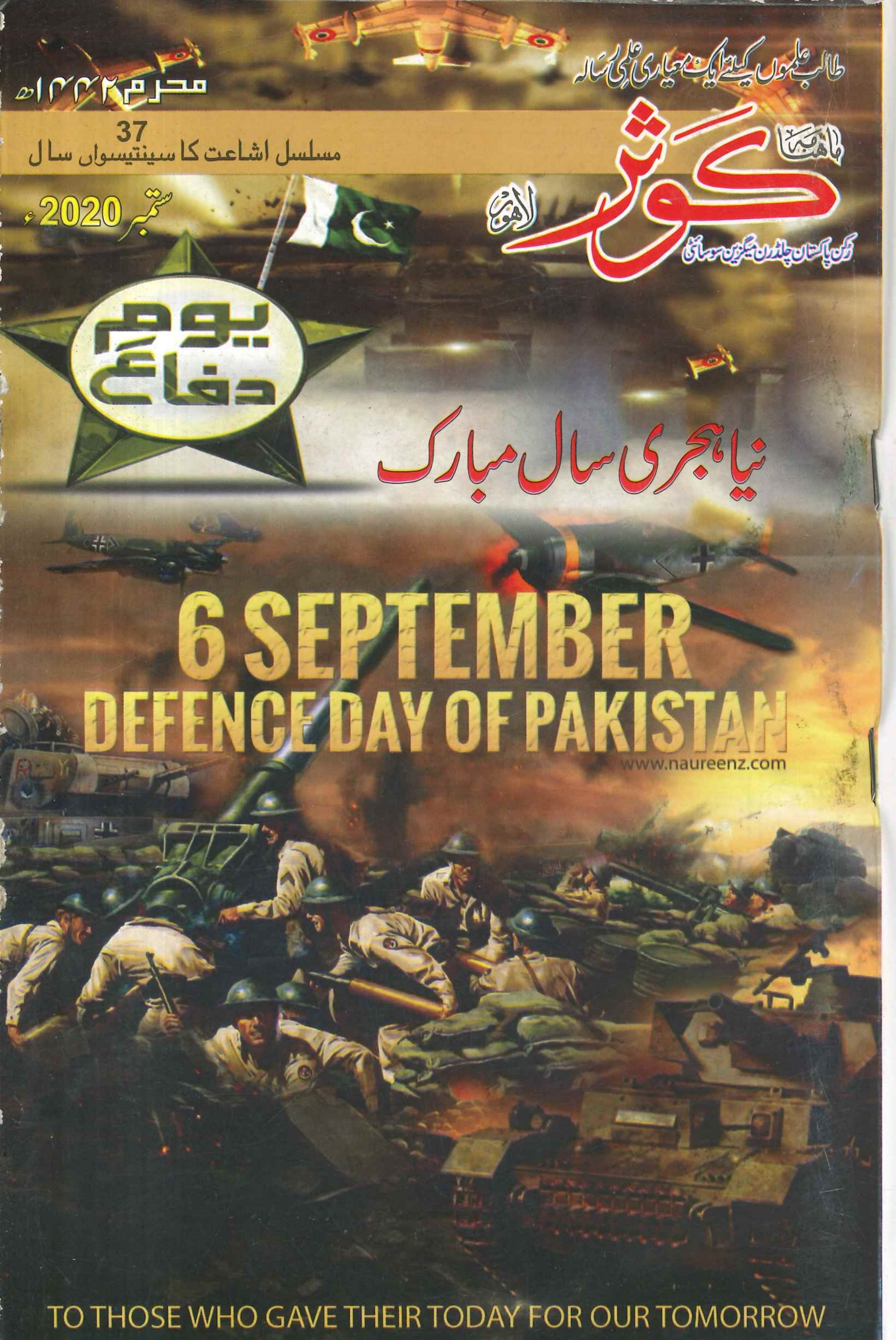

MONTHLY **KAUSAR** LAHORE

Regd. No. CPL-61

Sept. 2020
Vol. 37
No. 9

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طالب علموں کیلئے ایک معیاری علمی رسالہ

ماہنامہ
کوثر
لاہور

رکن پاکستان چلڈرن میگزین سوسائٹی

مسلسل اشاعت کا سینتیس واں سال

محرم ۱۴۴۲ھ
ستمبر 2020ء
جلد 37
شمارہ 9

بیاد
خان بہادر انعام اللہ خان مرحوم
ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ مرحوم

مدیر اعلیٰ: پروفیسر ڈاکٹر مزمل احسن شیخ

مدیرہ (اردو سیکشن): ڈاکٹر آمنہ خواجہ

مدیرہ (انگلش سیکشن): عائشہ نسیم الدین خواجہ

34 L 2 ویلنشیا ٹاؤن، لاہور
فون: 042-37281939, 0333-4027771
monthly.kausar@gmail.com

مطبع
مکتبہ جدید پریس، لاہور

اہتمام طباعت
غازی محمد وقاص 042-37668110
gdsprinters@gmail.com

ڈیزائننگ: محمد عبدالرحمٰن

یکے از مطبوعات:
دی چلڈرن قرآن سوسائٹی
خواجہ آرکیڈ، وحدت روڈ، لاہور
فون: 042-37420679

قیمت فی شمارہ: 40 روپے
سالانہ زرتعاون: 400 روپے
وی۔پی: 470 روپے

لائبریریوں اور سکولوں کے لیے حکومت پنجاب سے منظور شدہ So(PI)45/83

حدیث نبوی ﷺ

خون مسلم کی حرمت

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"(مندرجہ ذیل) تین صورتوں کے علاوہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں،
جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں
اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں

(1) شادی شدہ زانی،
(2) جان کے بدلے جان (قاتل) اور
(3) دین کا تارک، جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والا۔"

(صحیح مسلم)

Kausar
GROUP OF COMPANIES

اس شمارے میں

نیا ہجری سال	اُم عائشہ	5
حمد	حفیظ تائب	9
نعت ﷺ	حفیظ تائب	10
تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی	سلطان بشیر محمود	11
''یہ سب پر غالب آئے گا''	مرسلہ: حفصہ عثمان	13
ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا	انتخاب: عبدالرحمٰن	18
ابلیس کی مجلس شوریٰ	اسرار زیدی	25
اردو زبان ہماری	محمد شہزاد مجددی	28
قائداعظم کے آخری لمحات	ڈاکٹر ریاض علی شاہ	29
محمد بن قاسم	اُم فہیم خواجہ	33
صلہ رحمی	مریم خنساء	36
جو پیر پھیلاتا ہے، ہاتھ نہیں پھیلاتا	انتخاب: عبدالعزیز	39
یوم دفاع: اصل سبق!	یعقوب غزنوی	42
پاکستان، جنگ ستمبر اور مسلم دنیا	سید ابوالاعلیٰ مودودی	45
جنگ ستمبر 1965ء: کچھ یادیں....	پروفیسر محمد سعید شیخ	51
آئیے رجوع کریں	محمد مزمل احسن شیخ	55
ان پڑھ سرجن	ڈاکٹر حافظ محمد فاروق	57
انتقال پر ملال	محمد خلیق	63
Saad bin abi Waqas	انتخاب: عائشہ خواجہ	66

آپس کی باتیں

نیا ہجری سال

اُم عائشہ

ہجری سال کا باقاعدہ کیلنڈر حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں ترتیب پایا اور اس کا آغاز مسلمانوں کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت سے کیا گیا۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

> ''محرم کو اسلامی سال کا پہلا مہینہ اس لیے قرار دیا گیا کیونکہ ہجرت کا ابتدائے عزم محرم ہی میں ہوا تھا۔ دراصل بیعت عقبہ ذوالحجہ میں ہوئی، جو ہجرت کی تمہید اور اس کا محرک بنی۔ اس کے بعد ہلال، ہلالِ محرم ہی تھا تو اسی سے ابتدائے تاریخ مناسب تھی......''

الحمدللہ! اسلامی سال کے **1441** سال مکمل ہو چکے ہیں اور **1442** ہجری کا آغاز ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ سال مسلمانوں اور اسلام کی سربلندی کا باعث بنے۔ آمین، ثم آمین!

اسلامی تاریخ میں محرم الحرام کے دوران دو عظیم شہادتیں ہوئیں۔ مرادِ رسولؐ حضرت عمرؓ نے یکم محرم الحرام کو جامِ شہادت نوش فرمایا اور دس محرم کو رسول کریم ﷺ کے نواسے حضرت حسینؓ نے شہادت کا رتبہ پایا۔

حضرت عمرؓ کی عظمت کے اسلام دشمن بھی قائل ہیں۔ مغرب کا مؤرخ تسلیم کرتا ہے کہ اگر اسلامی تاریخ میں ایک عمرؓ اور ہوتا تو آج ساری دنیا مسلمان

ہوتی۔ حضرت عمرؓ ہی کے بارے میں رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ: ''میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔'' سرورِ عالم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے جس پر عمرؓ ہوں۔''

حضرت عمرؓ کو مرادِ رسولؐ بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ آپؐ نے اللہ سے دعا کی تھی کہ: ''اے اللہ! عمرو بن ہشام یا عمر بن خطاب میں سے ایک کو میری جھولی میں ڈال دے۔''

حضرت عمرؓ کے دس سالہ دورِ حکومت میں اسلامی سلطنت **22** لاکھ مربع میل تک پھیل گئی۔ آپ نے کئی ادارے تشکیل دیے جن میں بعض درج ذیل ہیں:

☆ بیت المال کو ایک منظم ادارہ کی شکل دی گئی۔

☆ باقاعدہ عدالتی نظام قائم کیا گیا۔

☆ پوسٹل سروس کا باقاعدہ اجرا ہوا۔

☆ محکمہ لینڈ ریونیو قائم کیا گیا۔

☆ مردم شماری کا آغاز ہوا۔

☆ جیلیں قائم ہوئیں۔

☆ نہریں اور پل بنائے گئے۔

☆ ریاست کو صوبوں میں تقسیم کیا گیا۔ مفتوحہ علاقوں کو صوبہ کا درجہ دیا گیا۔ آپ نے کوفہ، بصرہ جیسے نئے شہر بسائے۔

آپؓ نے مسجد الحرام میں پہلی توسیع کی۔ آپؓ نے فرمایا کہ ''فرات کے کنارے کوئی کتا بھی بھوکا مرگیا تو مجھ سے جواب دہی ہوگی۔'' اس سے کفالت عامہ کا تصور قائم ہوا۔

اعلیٰ ترین اعزاز کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؓ کی رائے کو شرف قبولیت بخشا اور قرآن پاک میں اس کا ذکر فرمایا۔ یعنی بدر کے قیدیوں سے سلوک کے حوالہ سے اور خواتین کے پردے کے بارے میں احکامات جاری ہوئے۔

حضرت حسینؓ اس وقت منظرِ عام پر آئے جب حضرت معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنایا۔ حضرت حسینؓ نے اسے خلافت سے ملوکیت کی طرف پیش قدمی قرار دیا۔ حضرت حسینؓ نے نظام خلافت میں اس دراڑ کا راستہ روکنے اور حقیقی خلافت کو جاری کرنے کے لیے جہاد کیا۔ اس جہاد میں اپنی ہی نہیں بلکہ اپنے خاندان کے کئی درجن افراد کی جان بھی قربان کردی۔

آج کے مسلمان کو سوچنا چاہیے کہ ایک وہ تھے جنھوں نے اسلام کے حوالے سے ایک اصولی موقف پر اپنی اور اہل وعیال کی جان قربان کردی جبکہ دوسری طرف ہم ہیں کہ اب اسلام کا انحصار محض خالی خولی نعروں پر ہے۔ عملی طور پر اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کی پابندی کی جاتی ہے نہ سیدنا حسینؓ جیسا جہاد کرنے کی کوئی آرزو ہے۔

آخر میں محرم کے حوالے سے حضرت حسینؓ کی ایک وصیت سن لیں جو انہوں نے جنگ کے باقاعدہ آغاز سے چند لمحات قبل سبھی اہل بیت کو اپنے خیمہ میں اکٹھا کرکے فرمائی:

''میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ جس وقت میں دشمنوں کے ہاتھوں قتل کردیا جاؤں تو میرے ماتم میں ہرگز گریبان چاک نہ کرنا، نہ ہی اپنے رخساروں پر طمانچے مارنا اور نہ ہی اپنے منہ کو زخمی کرنا۔''

یہی اسوۂ حسینی ہمارا مشعل راہ ہونا چاہیے۔اس سے ہٹ کر جو بھی راہ اختیار کی جائے گی وہ سیدنا حسینؓ اور ان کے نانا حضرت محمد ﷺ کے اسوہ کے مطابق نہ ہوگی۔

حسینی کردار میں آج بھی ہمارے لیے یہ سبق پنہاں ہے کہ اسلام کی حفاظت وسربلندی کے لیے ہر باطل نظریہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے۔یہی سربلندی کا راستہ ہے اور یہی حقیقی عزت وسرفرازی ہے۔

☆......☆......☆

حدیث نبویؐ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ’’جو شخص اپنی قوم (یا قبیلے) کی ناحق اور ناجائز بات پر مدد کرتا ہے وہ اس اونٹ جیسا ہے جو اونچی جگہ سے کنوئیں میں گر کر ہلاک ہو جاتا ہے اور پھر اس کی دم کو پکڑ کر اسے کھینچا جاتا ہے۔‘‘

حمد

ہے انساں کی دولت محبت خدا کی

حفیظ تائب

زمانے پہ چھائی ہے رحمت خدا کی
ہر اک شے سے ظاہر ہے قدرت خدا کی
زمین، آسمان حکم سے اُس کے قائم
دل و جان پہ بھی ہے حکومت خدا کی
سخاوت کی اک موج سارے سمندر
عیاں ذرے ذرے سے قدرت خدا کی
چمن کی ہواؤں میں خوشبو اُس کی
نظر آئی پھولوں میں رنگت خدا کی
جھکائے نہ کیوں سر فلک اُس کے آگے
ہے انساں کی دولت محبت خدا کی
خدائی میں ہیں رنگ وحدت کے سارے
بیاں کیا ہو تائب عنایت خدا کی

☆......☆......☆

نعت

......پلکوں سے چل کے آ

حفیظ تائب

شوق و نیاز و عجز کے سانچے میں ڈھل کے آ
یہ کوچۂ حبیبؐ ہے، پلکوں سے چل کے آ

امت کے اولیا بھی ادب سے ہیں دم بخود
یہ بارگاہِ سرورِ دیں ہے، سنبھل کے آ

آتا ہے تو جو شہر رسالت مآبؐ میں
حرص و ہوا کے دام سے باہر نکل کے آ

ماہِ عرب کے آگے تری بات کیا بنے
اے ماہتاب رُوپ نہ ہر شب بدل کے آ

سوز و تپش سخن میں اگر چاہتا ہے تو
عشقِ نبیؐ کی آگ سے تائب پگھل کے آ

☆......☆......☆

قرآنی حقائق

''تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی''

سلطان بشیر محمود

کلام پاک کا یہ زندہ معجزہ ہے کہ یہ وہ واحد کتاب ہے جو کسی پروف ریڈنگ کے بغیر ہی ترتیب دے دی گئی۔ اس کا پہلا اور آخری مسودہ ایک ہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''یہ وحی ہے کائنات کے رب کی طرف سے۔'' اس لیے اس میں کسی طرح کی پروف ریڈنگ کی ضرورت نہیں۔

جو کچھ نبی پاک ﷺ کے اوپر نازل ہوتا وہ اسی وقت آپؐ کے قلب پر ثبت ہو جاتا جو بذاتِ خود ایک معجزہ تھا۔ شروع شروع میں بشری تقاضوں کے مطابق نبی پاک ﷺ کو اندیشہ تھا کہ کہیں میں بھول نہ جاؤں، چنانچہ آپؐ کلام پاک کو یاد رکھنے کے لیے جبریلؑ کے پیچھے بار بار پڑھتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا کہ یہ ہمارا کلام ہے، اسے یاد رکھوانا اور اس کا جمع کروانا بھی ہمارا کام ہے۔

> ''(اے نبیؐ) اپنی زبان کو قرآن یاد رکھنے کے لیے (بلاضرورت) مت ہلاؤ، جلدی نہ کرو۔ اس کا جمع کرانا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ اور جب ہم اسے پڑھا چکے ہوں تو پڑھے کا اتباع کرو۔ اس کی تشریح بھی ہمارے ذمہ ہے۔''

(القیامہ: 16 تا 19)

چنانچہ آپؐ جبریلؑ کی ہدایت کے مطابق کاتبانِ وحی کو یہ بتا دیتے کہ یہ آیت مبارکہ فلاں سوۃ، فلاں آیت کے بعد یا پہلے لکھ لو۔ یعنی کلامِ پاک جیسے جیسے نازل

ہوتا ویسے ہی کتابی شکل میں ترتیب بھی پایا گیا۔ وہی آخری اور حتمی کلام تھا۔ ایک لفظ بھی بدلنے کی ضرورت نہیں پڑی حالانکہ آپؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس کی دنیا بھر میں کہیں بھی کوئی مثال نہیں اور قرآن کریم کی سچائی پر ایمان لانے کے لیے کافی دلیل ہے۔

عرب اپنی زبان گوئی اور شاعری پر فخر کرتے تھے۔ حج کے موقع پر دور دراز علاقوں سے قادرالکلام لوگ جمع ہوتے اور ایک دوسرے کے کلام کی داد دیتے۔ ''ملک الشعراء'' کا انتخاب بھی وہیں ہوتا۔ جب قرآن پاک اترا تو اس کے نہ صرف مضامین بلکہ اندازِ بیان بھی ان کے لیے حیران کن تھا۔ مختلف وجوہ سے عربوں کی اکثریت اسلام کی مخالفت پر اتر آئی۔ انہوں نے کہا کہ یہ کلام اللہ نہیں بلکہ محمدؐ خود بناتا ہے یا کسی سے لکھواتا ہے۔ اس شدید مخالفت کے دور میں قرآن کریم دنیا بھر کے لوگوں کو تا قیامت ایک چیلنج کا اعلان کرتا ہے:

> ''اگر تمہیں اس کلام میں کوئی شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا ہے تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی اور بلا لو اپنے مددگار ماسوائے اللہ کے اگر تم سچے ہو۔'' (البقرہ:23)

بظاہر اس چیلنج کا مقابلہ کوئی مشکل بات نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن اہل ادب و فن نے جب مقابلہ کا سوچا تو انہیں پتہ چلا کہ قرآن اپنی پیشین گوئی میں سچا ہے اور ہم اس جیسی ایک سورۃ تو کیا ایک حصہ بھی اس کے مقابلہ میں نہیں لا سکتے۔

چنانچہ اس وقت کے ملک الشعراء کو، جن کا نام لبید تھا، کعبہ میں لٹکائی گئی سورۃ الکوثر کے نیچے لکھنا پڑا: ''**ماھذا کلام البشر**'' (یہ انسان کا کلام نہیں)۔

☆......☆......☆

سیرت النبیؐ

''یہ سب پر غالب آئے گا''

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں: ''میں پریشانی کی حالت میں مکہ پہنچی۔ آپؐ کے دادا عبدالمطلب کے پاس پہنچتے ہی میں نے کہا: میں آج رات محمدؐ کو لے کر آ رہی تھی۔ جب بالائی علاقے میں پہنچی تو وہ اچانک کہیں گم ہو گئے۔ اب خدا کی قسم میں نہیں جانتی، وہ کہاں ہیں۔''

عبدالمطلب یہ سن کر فوراً کعبہ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے آپؐ کے مل جانے کے لیے دعا کی۔ پھر آپؐ کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ ورقہ بن نوفل بھی تھے۔ غرض دونوں تلاش کرتے کرتے تہامہ کی وادی میں پہنچے۔ ایک درخت کے نیچے انہیں ایک لڑکا کھڑا نظر آیا۔ اس درخت کی شاخیں بہت گھنی تھیں۔ عبدالمطلب نے پوچھا: ''لڑکے تم کون ہو؟''

حضور ﷺ چونکہ اس وقت تک قد نکال چکے تھے، اس لیے عبدالمطلب پہچان نہ سکے۔ آپؐ کا قد تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ جواب میں آپؐ نے فرمایا: ''میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔''

یہ سن کر عبدالمطلب بولے: ''تم پر میری جان قربان، میں ہی تمہارا دادا عبدالمطلب ہوں۔'' پھر انہوں نے آپؐ کو اٹھا کر سینے سے لگایا اور رونے لگے۔ آپؐ کو گھوڑے پر اپنے آگے بٹھایا اور مکہ کی طرف چلے۔ گھر آ کر انہوں نے بکریاں اور گائیں ذبح کیں اور مکہ والوں کی دعوت کی۔

آپؐ کے مل جانے کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ حضرت آمنہ کے پاس آئیں

تو انہوں نے پوچھا: ''حلیمہ! اب آپ بچے کو کیوں لے آئیں؟ آپ کی تو خواہش تھی کہ یہ ابھی آپ کے پاس اور رہیں۔''

انہوں نے کہا: ''یہ اب بڑے ہو گئے ہیں اور اللہ کی قسم میں اپنی ذمہ داری پوری کر چکی ہوں۔ میں خوف محسوس کرتی رہتی ہوں کہیں انہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ جائے۔ لہٰذا انہیں آپ کے سپرد کرتی ہوں۔''

حضرت آمنہ کو یہ جواب سن کر حیرت ہوئی۔ بولیں: ''مجھے سچ سچ بتاؤ ماجرا کیا ہے۔''

تب انہوں نے سارا حال کہہ سنایا۔ حلیمہ سعدیہ نے دراصل کئی عجیب و غریب واقعات دیکھے تھے۔ ان واقعات کی وجہ سے وہ بہت پریشان ہو گئی تھیں۔ پھر سینہ مبارک چاک کیے جانے والا واقعہ پیش آیا تو وہ آپؐ کو فوری طور پر واپس کرنے پر مجبور ہوئیں۔ وہ چند واقعات حضرت حلیمہ اس طرح بیان کرتی ہیں:

''ایک مرتبہ یہودیوں کی ایک جماعت میرے پاس سے گزری۔ یہ لوگ آسمانی کتاب تورات کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے۔ میں نے ان سے کہا: ''کیا آپ لوگ میرے اس بیٹے کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟'' ساتھ ہی میں نے حضور اکرم ﷺ کی پیدائش کے بارے میں انہیں تفصیلات سنائیں۔ یہودی تفصیلات سن کر آپس میں کہنے لگے: ''اس بچے کو قتل کر دینا چاہیے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے پوچھا: ''کیا یہ بچہ یتیم ہے؟'' میں نے ان کی بات سن لی تھی کہ وہ ان کے قتل کا ارادہ کر رہے ہیں، سو میں نے جلدی سے اپنے شوہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''نہیں! یہ رہے اس بچے کے باپ۔'' تب انہوں نے کہا: ''اگر یہ بچہ یتیم ہوتا تو ہم ضرور اسے قتل کر دیتے۔''

یہ بات انہوں نے اس لیے کہی کہ انہوں نے پرانی کتابوں میں پڑھ رکھا تھا کہ ایک آخری نبی آنے والے ہیں۔ ان کا دین سارے عالم میں پھیل جائے گا۔ ہر طرف ان کا بول بالا ہو گا۔ ان کی پیدائش اور بچپن کی یہ یہ علامات ہوں گی اور یہ کہ وہ یتیم ہوں گے۔ اب چونکہ ان سے حلیمہ سعدیہ نے یہ کہہ دیا کہ یہ بچہ یتیم نہیں ہے تو انہوں نے خیال کر لیا کہ یہ وہ بچہ نہیں ہے۔ اس طرح انہوں نے بچے کو قتل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ وہ آپؐ کو عکاظ کے میلے میں لے آئیں۔ جاہلیت کے دور میں یہاں بہت مشہور میلا لگتا تھا۔ یہ میلا طائف اور نخلہ کے درمیان میں لگتا تھا۔ عرب کے لوگ حج کرنے آتے تو شوال کا مہینہ اس میلے میں گزارتے، کھیلتے کودتے اور اپنی بڑائیاں بیان کرتے۔ حلیمہ سعدیہ آپؐ کو لیے بازار میں گھوم رہی تھیں کہ ایک کاہن کی نظر آپؐ پر پڑی۔ اسے آپؐ میں نبوت کی تمام علامات نظر آ گئیں۔ اس نے پکار کر کہا: ''لوگو! اس بچے کو مار ڈالو۔''

حلیمہ کاہن کی بات سن کر گھبرا گئیں اور جلدی سے وہاں سے سرک گئیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی حفاظت فرمائی۔ میلے میں موجود لوگوں نے کاہن کی آواز سن کر ادھر اُدھر دیکھا کہ کس بچے کو قتل کرنے کے لیے کہا گیا ہے، مگر انہیں وہاں کوئی بچہ نظر نہیں آیا۔ اب لوگوں نے کاہن سے پوچھا: ''کیا بات ہے، آپ کس بچے کو مار ڈالنے کے لیے کہہ رہے ہیں؟''

اس نے لوگوں کو بتایا: ''میں نے ابھی ایک لڑکے کو دیکھا ہے۔ معبودوں کی قسم وہ تمہارے دین کے ماننے والوں کو قتل کرے گا، تمہارے بتوں کو توڑے گا اور وہ تم سب پر غالب آئے گا۔''

یہ سن کر لوگ آپؐ کی تلاش میں ادھر اُدھر دوڑے لیکن ناکام رہے۔ حلیمہ سعدیہ آپؐ کو لیے واپس آ رہی تھیں کہ ذی الحجاز سے ان کا گزر ہوا۔ یہاں بھی میلا لگا ہوا تھا۔ اس بازار میں ایک نجومی تھا۔ لوگ اس کے پاس اپنے بچوں کو لے کر آتے اور وہ ان کی قسمت کے بارے میں اندازے لگاتا تھا۔ حلیمہ سعدیہ اس کے نزدیک سے گزریں تو نجومی کی نظر حضور اکرم ﷺ پر پڑی۔ نجومی کو آپؐ کی مہر نبوت نظر آ گئی، ساتھ ہی آپؐ کی آنکھوں کی خاص سرخی اس نے دیکھ لی۔ وہ چلا اٹھا: ''اے عرب کے لوگو! اس لڑکے کو قتل کر دو۔ یہ یقیناً تمہارے دین کے ماننے والوں کو قتل کرے گا، تمہارے بتوں کو توڑے گا اور تم پر غالب آئے گا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ آپؐ کی طرف جھپٹا لیکن اسی وقت پاگل ہو گیا اور اسی حالت میں مر گیا۔

ایک اور واقعہ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ حبشہ کے عیسائیوں کی ایک جماعت حضور اکرم ﷺ کے پاس سے گزری۔ اس وقت حلیمہ سعدیہ آپؐ کو حضرت آمنہ کے حوالے کرنے جا رہی تھیں۔ ان عیسائیوں نے آپؐ کے مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت اور آنکھوں کی سرخی کو دیکھا۔ انہوں نے حلیمہ سعدیہ سے پوچھا: ''کیا اس بچے کی آنکھوں میں کوئی تکلیف ہے؟'' انہوں نے جواب میں کہا: ''نہیں، کوئی تکلیف نہیں! یہ سرخی تو ان کی آنکھوں میں قدرتی ہے۔'' ان عیسائیوں نے کہا: ''تب اس بچے کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہم اسے اپنے ملک لے جائیں گے۔ یہ بچہ پیغمبر اور بڑی شان والا ہے۔ ہم اس کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔'' حلیمہ سعدیہ یہ سنتے ہی وہاں سے جلدی سے دور چلی گئیں، یہاں تک کہ آپؐ کو والدہ کے پاس پہنچا دیا۔

ان واقعات میں سب سے اہم واقعہ سینہ مبارک چاک کرنے والا تھا۔

روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپؐ کے سینہ مبارک پر سلائی کے نشانات موجود تھے جیسا کہ آج کل ڈاکٹر حضرات آپریشن کے بعد ٹانکے لگاتے ہیں اور ٹانکے کھول دیے جانے کے بعد بھی سلائی کے نشانات موجود رہتے ہیں۔ اس واقعے کے بعد حلیمہ سعدیہ اور ان کے خاوند نے فیصلہ کیا کہ اب بچے کو اپنے پاس نہیں رکھنا چاہیے۔ جب حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپؐ کو حضرت آمنہ کے حوالہ کیا اس وقت آپؐ کی عمر چار سال تھی۔ ایک روایت یہ ملتی ہے کہ اس وقت عمر شریف پانچ سال تھی۔ ایک تیسری روایت کے مطابق عمر چھ سال ہو چکی تھی۔

حضرت آمنہ آپؐ کو لے کر اپنے میکے مدینہ منورہ گئیں۔ اُم ایمن بھی ساتھ تھیں۔ اُم ایمن کہتی ہیں: ''ایک دن مدینہ کے دو یہودی میرے پاس آئے اور بولے: ''ذرا محمدؐ کو ہمارے سامنے لاؤ، ہم انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔'' وہ آپؐ کو ان کے سامنے لے آئیں۔ انہوں نے اچھی طرح دیکھا۔ پھر ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ''یہ اس اُمت کا نبی ہے اور یہ شہر ان کی ہجرت گاہ ہے۔ یہاں زبردست جنگ ہوگی۔ قیدی پکڑے جائیں گے۔''

حضرت آمنہ کو یہودیوں کی اس بات کا پتہ چلا تو آپ ڈر گئیں اور حضور اکرم ﷺ کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئیں، مگر راستے ہی میں ابواء کے مقام پر وفات پا گئیں۔

(مرسلہ: حفصہ عثمان)

☆......☆......☆

حالاتِ حاضرہ

ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا

ٹھنڈی ہوا کا یہ جھونکا ترکی کے صدر رجب طیب اردوان کی طرف سے آیا ہے۔ اردوان ترکی ہی کے محبوب قائد نہیں بلکہ امت مسلمہ کے وہ رہنما ہیں جن کے لیے اربوں مسلمان دست بدعا رہتے ہیں اور اُس جیسا حکمران اپنے ملک میں ڈھونڈتے ہیں۔

مصطفیٰ کمال نے، جسے اسلام دشمن عناصر نے اتاترک (ترکوں کا باپ) نام دے رکھا تھا، **1934**ء میں آیا صوفیہ کو میوزیم بنا دیا تھا۔ ایسا اُس نے اپنے مغربی آقاؤں کی خوشنودی کے لیے کیا تھا۔ یہ اسلام کے خلاف ایک بہت بڑی جسارت تھی۔

حال ہی میں طیب اردگان نے عدلیہ کی اجازت سے اسے دوبارہ مسجد میں تبدیل کر دیا ہے۔ اردگان کی اسلام سے وابستگی اور شعائرِ اسلام سے والہانہ محبت کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔ غیر مسلموں کی بے جا مخالفت کے باوجود بے مثال جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ اپنے اقدام پر ڈٹے رہے۔

الحمدللہ، الحمدللہ، ثم الحمدللہ کہ مسجد کا باقاعدہ آغاز اذان سے کر دیا گیا ہے۔ اردگان نے یہاں نہ صرف نماز پڑھی بلکہ تلاوتِ قرآن پاک کی سعادت بھی حاصل کی۔ یہاں نماز جمعہ ادا کی گئی جس میں لوگوں نے والہانہ طور پر شرکت کی۔ اللہ تعالیٰ طیب اردگان کو جزائے خیر عطا کرے اور ان کو عمر دراز عطا کرے تاکہ وہ مجبور و مظلوم مسلمانوں کے حق میں اپنی طاقتور آواز بلند کرتے رہیں۔

اس موقع پر ترک صدر نے جو خطاب کیا، اس کے منتخب حصے ذیل میں پیش

کیے جا رہے ہیں۔

''ذی احترام اہل اسلام!

اللہ کی رحمتیں، سکینت، نصرت اور جمعۃ المبارک کی بے پایاں برکتیں آپ پر نازل ہوں۔ اس بابرکت ساعت اور اس مقدس مقام پر ہم ایک تاریخ ساز لمحے کے شاہد ہیں۔ مسجد آیا صوفیا میں نماز کی یہ جماعت عیدالاضحیٰ کی ضو میں **3** ذوالحج کو منعقد ہو رہی ہے۔ اس قوم کا طویل انتظار جو دل شکستگی کی حد کو پہنچ رہا تھا، آج ختم ہو رہا ہے۔ اللہ قادر مطلق کے حضور ہم بے انتہا شکرانہ اور حمد و ثنا پیش کرتے ہیں۔ آج وہ دن ہے جب آیا صوفیا کے گنبد و محراب ایک مرتبہ پھر تکبیر و تہلیل اور صلوٰۃ و تسبیح سے گونج اٹھے ہیں۔ اذان کی پکار اس کے میناروں سے بلند ہوئی ہے۔

آج کا دن عزت و توقیر اور عجز و نیاز کا دن ہے۔ روئے زمین پر مقدس ترین مقام مسجد ہے اور ہم اس ذات باری تعالیٰ کے حضور عظیم آیا صوفیا میں سربسجود ہیں۔ نبی کریم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام ہو کہ آپؐ نے اس کی فتح کی بشارت دی تھی: ''تم ضرور ایک روز قسطنطنیہ فتح کرو گے۔ بہترین امیر اس کا امیر ہوگا اور بہترین لشکر اس کا لشکر ہوگا۔'' دوسری حدیث: ''پہلا لشکر جو میری امت کا، قیصر کے شہر پر حملہ آور ہوگا وہ مغفرت یافتہ ہوگا۔''

سلام ہو استنبول کے اس عظیم روحانی معمار پر جو راہیں سر کرتا اس بشارت کو پا گیا۔ سلام ہو بالخصوص سیدنا ابوایوب انصاریؓ اور

ان کے بابرکت متبعین پر۔ سلام ہو الپ ارسلان پر جس نے اناطولیہ کے دروازے ہم پر کھولے، اس یقین کے ساتھ کہ فتوحات کے معانی حملہ آور ہونا نہیں بلکہ خوش حالی بخشنا ہے اور اس کے معانی تعمیر و ترقی ہے، تخریب نہیں۔ سلام ہو ہمارے شہداء اور نمازیوں پر جنہوں نے اس سرزمین کو ہمارا گھر بنایا، اسے ہمیں سونپا۔ سلام ہو دلوں پر حکمرانی کرنے والے ان تمام سلاطین پر جنہوں نے ایمان کے ذریعے ہمارا جغرافیہ بدلا۔ سلام ہو شمس الدین پر، وہ حکیم و دانا عالم جنہوں نے سلطان محمد کے دل میں فتح کی جوت لگائی اور آیا صوفیا میں یکم جون 1453ء کو پہلی نماز جمعہ پڑھائی۔ سلام ہو پُرعزم سلطان محمد فاتح پر جنہوں نے اپنا دل اس آیت پر جما دیا: ’’پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسا کرو۔ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔‘‘ (آل عمران: 159) تاریخ، ادب، سائنس اور آرٹس کا وہ نابغہ (سلطان محمد فاتح) جس نے اپنے دور کی بہترین ٹیکنالوجی استعمال کی، خشکی پر جہاز چلائے۔ اللہ کے اذن اور نصرت سے استنبول فتح کیا۔ کسی کو اجازت نہ دی کہ وہ اس معزز شہر کو ادنیٰ ترین نقصان پہنچائے، ایک کنکری جگہ سے بے جگہ کرنے کے برابر بھی۔

سلام ہو معماروں کے عظیم ماہر باپ سنان معمار کو، جس نے آیا صوفیا کے میناروں کو ڈھالا اور اتنا مضبوط بنایا کہ وہ صدیوں سلامت رہ سکیں۔ سلام ہو دنیا بھر کے اطراف و اکناف میں پھیلے

ہمارے مسلمان بھائیوں، بہنوں کو جو آیا صوفیا کے دروازے عبادت کے لیے کھولے جانے کے کب سے منتظر تھے، اور اب اس کے افتتاح پر خوشی منا رہے ہیں۔

سلام ہو ہمارے علماء اور دانشوروں، معروف قیادت پر جو حکمت و دانائی اور فراخ دلی سے مالا مال تھے۔ جنہوں نے آیا صوفیا کو یوں بیان کیا: ہماری روحانیت کا مقام اور ہمارے گھر کے ماتھے کا جھومر! وہ جنہوں نے دل و دماغ کو صبر اور امید سے بھر دیا یہ کہہ کر کہ: آیا صوفیا ضرور کھولی جائے گی۔ نوجوانو! انتظار کرو۔ انتظار کرو۔ ابھی کچھ اور بارانِ رحمت برس لینے دو۔ ہر بارش کے بعد ایک سیل رحمت اُمڈا کرتا ہے۔ میں اس سے بڑھ کر اور کیا چاہ سکتا ہوں کہ میں اس کے بہاؤ کا ایک تنکا ہوں۔ آیا صوفیا کھولی جائے گی۔ اللہ ان سب پر اپنی رحمت فرمائے۔

اے ایمان والو! آیا صوفیا کی عمر 15 صدیوں سے بھی زیادہ ہے۔ یہ تاریخ کی قیمتی ترین عبادت گاہوں، مراکزِ علم و حکمت میں سے ایک ہے۔ سلطان محمد فاتح نے عبادت کا یہ غیر معمولی مقام اہل ایمان کے سپرد کیا اور اس شرط پر وقف کیا کہ یہ تاقیامت مسجد ہی رہے گی۔ وقف کی جائیداد ہمارے عقیدے کے مطابق ناقابل تنسیخ حرمت کی حامل ہوتی ہے۔ وقف کا عہدنامہ مقدس اور اٹل ہے اور جو کوئی اس میں خلل انداز ہو وہ ملعون ہوگا۔ چنانچہ اس دن سے آج تک آیا صوفیا مقام مقدس رہا ہے، نہ صرف ہمارے ملک بلکہ

امت محمد ﷺ کے لیے بھی۔

آیا صوفیا وہ مقام ہے جس سے ایک مرتبہ پھر دنیا بھر کے لیے اسلام کی لامنتہا رحمت کا اعلان جاری ہوا ہے۔ جن لوگوں نے آیا صوفیا میں پناہ لے رکھی تھی، وہ اس کی فتح کے بعد متفکر تھے کہ ان سے نجانے کیا برتاؤ ہوگا! ان سے محمد فاتح نے کہا تھا: ''آج کے بعد کبھی اپنی زندگی اور آزادی کے بارے میں خوف زدہ مت ہونا۔ کسی کی جائیداد نہ لوٹی جائے گی۔ کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ کسی کو اس کے مذہب کی بنا پر سزا نہ دی جائے گی۔'' اور پھر اسی پر عمل ہوا۔ اسی لیے آیا صوفیا علامت ہے عقیدے کے احترام اور بقائے باہمی کے اخلاقی ضابطے کی!

عزیز مسلمانو! آیا صوفیا میں عبادت کی بحالی اس کی طویل تاریخی حیثیت سے وفا کا تقاضا ہے۔ یہ ایک مقام مقدسہ کو اپنے اصل مقصد پر لوٹانا تھا جو پانچ صدیاں اہل ایمان کا مرکز و محور رہا۔ آیا صوفیا کو عبادت کے لیے کھول دینا گواہی ہے اس امر کی کہ اسلامی تہذیب عروج پذیر رہتی ہے۔ اس کی بحالی زندگی کی امید ہے مظلوم مسلمانوں اور غم ناک مساجد کے لیے، جس میں سرفہرست مسجد اقصیٰ ہے۔ آیا صوفیا کی عبادت کے لیے بحالی ہماری عالی نسب قوم کے عزم کا اظہار ہے، جس کے نزدیک ایمان اور ملک و ملت کی محبت سرفہرست ہے۔

عزیز بھائیو اور بہنو! اس سے زیادہ افسردگی کا عالم کیا اور کہاں

ہوگا کہ ایک مسجد ہو جس کے مینارے خاموش، منبر و محراب ویران، بے آواز اور باغ اجڑا ہوا ہو۔ اسلام کے خلاف بڑھتی ہوئی مخاصمت اور دشمنی کی بنا پر آئے دن دنیا کے مختلف حصوں میں مساجد پر حملے ہوتے ہیں، جبراً ان کی بندش کر دی جاتی ہے اور بمباریوں سے تباہ کر دی جاتی ہیں۔ کروڑوں مسلمان ظلم و جبر کا نشانہ بن رہے ہیں۔ میں دنیا کو پانچ صدی پہلے آیا صوفیا کے متعلق محمد فاتح کا یہ عظیم مثالی رویہ دکھانا چاہوں گا تاکہ پوری انسانیت کو پکار کر کہہ سکوں: بس کر دو بس! اسلام دشمن اظہاریے، کارروائیاں اور ہمہ نوع ظلم اب بند کر دو۔

عزیز بھائیو اور بہنو! آج یہی کرنے کی ضرورت ہے کہ ہم دن رات ایک کر دیں یہ یقینی بنانے کے لیے کہ راحت و مہربانی، کشادہ ظرفی، راست بازی اور انصاف دنیا پر حکمران ہو۔ ہمیں انسانیت کی نجات کے لیے امید بننا ہے جو اس وقت گمبھیر مسائل کے بھنور میں پھنسی ہے۔ ہمیں ظم و جبر، بے انصافیوں، آنسوؤں، آہوں اور مایوسی میں گھرے خطوں میں انصاف لانا ہے۔ ہمیں اس پکار پر متوجہ ہونا ہے: اے مسلمانو! اسلام کو سمجھو، اسلام کے مطابق جیو اور اتنے درست اور بھلے طریقے سے اسلام پھیلاؤ کہ جو کوئی تمھیں مارنے کو آئے، وہ تم سے نئی زندگی پا جائے۔

ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ تمام لوگ یا ایک دین کی بنا پر بہن بھائی ہیں یا مخلوق ہونے کے اعتبار سے برابر ہیں۔ سیدنا علیؓ کے قول کے مطابق: ہم اس دنیا کو مشترک گھر سمجھتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں

کہ اس گھر کے سبھی افراد بلالحاظ مذہب، نسل، رنگ یہ حق رکھتے ہیں کہ وہ تحفظ اور انسانیت کے ساتھ آزادانہ رہ سکیں۔ آیا صوفیا کے گنبد تلے ہم پوری انسانیت کو پکارتے ہیں کہ وہ امن و انصاف، رحم اور راستی برقرار رکھے۔ ہم عالمی اقدار اور اخلاقی اصول وضوابط کے تحفظ کی پکار بلند کرتے ہیں جو انسانی عزت و وقار کی حفاظت کرتے ہوئے ہمیں اعلیٰ اشرف مخلوق بنا سکے۔

آخری اور برحق دین کے متبع کی حیثیت سے، جو علانیہ یہ کہتا ہے کہ ہر انسانی جان جنس اور عمر سے قطع نظر، قابل احترام ہے، جس کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی، ہم انسانیت کو پکارتے ہیں کہ وہ اس ضمن میں تعاون و شراکت کاری کرے۔ سبھی انسانی نسلوں کی زندگی، مذہب اور اموال و اسباب کا تحفظ یقینی ہو۔ یہ اس لیے کہ آج ہمیں ہمیشہ سے بڑھ کر اس کی ضرورت ہے کہ ہمارے دل ہمارے میلانات سے، ہماری عقل ہمارے ضمیر سے، انسان انسانوں اور انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہو جائیں۔ آج یہ تاریخی خطبہ ختم کرتے ہوئے میں پوری دنیا کو اس عزت مآب جگہ سے ایک پکار دینا چاہوں گا۔ اے لوگو! آیا صوفیا مسجد کے دروازے اللہ کے تمام بندوں کے لیے بلاتفریق اسی طرح کھلے رہیں گے جیسے مسجد سلیمانیہ، سلیمی مسجد، سلطان احمد مسجد اور ہماری دیگر مساجد ہیں۔ ایمان، عقیدے، عبادت، تاریخ، غور وفکر اور تدبر کا سفر آیا صوفیا کی روحانی فضا میں بلاتعطل جاری رہے گا، ان شاءاللہ!''

بزمِ اقبال

ابلیس کی مجلس شوریٰ

(پہلا حصہ)

اسرار زیدی

یہ اقبال کی شاہکار نظم ہے جس میں مغرب کی تہذیب اور اس کے نظام پر زبردست تنقید کی گئی ہے۔ جس طرح موجودہ دور میں کسی ملک پر جمہوری انداز میں حکومت کرنے کے لیے انتخابات کے ذریعے قومی اسمبلی یا پارلیمنٹ بنائی جاتی ہے اور اس میں مختلف معاملات پر بحث کے بعد ان کے متعلق فیصلے کیے جاتے ہیں، اسی طرح علامہ اقبال نے ایک خیالی اسمبلی (مجلس شوریٰ) تشکیل دی جس میں حکمران پارٹی شیطان کا ٹولہ اور اس کا سربراہ شیطان خود ہے۔ یہ نظم 1936ء میں لکھی گئی لیکن اس مجلس شوریٰ میں زیر بحث آنے والے معاملات و مسائل کا تعلق موجودہ دور سے بھی جوڑا جا سکتا ہے۔

ابلیس

☆ یہ عناصر کا پرانا کھیل، یہ دنیائے دوں
ساکنانِ عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خوں

سب سے پہلے شیطان تقریر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ دنیا ایک پرانا کھیل ہے جو آگ، پانی، مٹی اور ہوا وغیرہ سے تشکیل دیا گیا ہے۔ کھیل اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح کھیل کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہوتی اس طرح کائنات کی بھی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔ یہ اس لیے بھی کھیل ہے کہ جیسے کھیل (ڈرامہ) کے سٹیج پر

مختلف کردار اور منظر آتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں اسی طرح دنیا کے سٹیج پر بھی لوگ آتے ہیں، اپنا کام کرتے ہیں اور مر کر چلے جاتے ہیں۔

شیطان یہ بھی کہتا ہے کہ یہ دنیا اپنی فطرت کے لحاظ سے گھٹیا اور پست ہے۔ وہ دنیا کو عرش پر رہنے والوں کی خواہشات کی بربادی کا سبب بھی قرار دیتا ہے۔ دراصل آدم کی پیدائش شیطان کی اپنی ہی امیدوں کا خون تھا کیونکہ وہ حسد کی وجہ سے انسان کے مقام کو قبول نہ کر سکا۔

☆ اس کی بربادی پر آج آمادہ ہے وہ کارساز

جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف ونوں

آج ایسا لگتا ہے کہ خدا جس کے ایک لفظ ''کن'' کہنے سے کائنات عدم سے وجود میں آگئی، وہ خود ہی اس دنیا کی بربادی پر تلا ہوا ہے۔

☆ میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب

میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں

شیطان کہتا ہے کہ اہل یورپ کو بادشاہت کا خیال میں نے ہی دیا کہ کیسے شخصی حکومت قائم کر کے عوام کو بے بس اور بے کس بنایا جاتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ میں نے ہی مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو دینی تعلیمات سے دور اور بیزار کیا۔ صدیوں سے ان پر جو مذہبی اثرات تھے، وہ ختم کر دکھائے۔

☆ میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا

میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں

میں نے غریبوں کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ مفلسی اور طاقتور طبقے کے

ذریعے ان کا استحصال ان کی قسمت ہے جس کو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اب وہ اسی صورت حال پر راضی ہو گئے ہیں اور اپنے حقوق کا مطالبہ نہیں کرتے۔ دوسری طرف میں نے امراء کے دلوں میں دولت کی ایسی محبت پیدا کر دی ہے کہ انہیں اس کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔

☆ کون کر سکتا ہے اس کی آتش سوزاں کو سرد

جس کے ہنگاموں میں ہو ابلیس کا سوز دروں

ابلیس یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی لگائی ہوئی آگ کوئی نہیں بجھا سکتا۔ انسان کے پورے نظامِ حیات میں ابلیسی اقدار اور اس کا طرز فکر یوں سرایت کر گئے ہیں کہ ان کے بغیر زندگی کو رواں رکھنا ایک نہایت مشکل امر نظر آتا ہے۔

☆ جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند

کون کر سکتا ہے اس نخل کہن کو سرنگوں؟

ابلیس کہتا ہے کہ میرا لگایا ہوا درخت کوئی نہیں اکھاڑ سکتا۔ اشارہ اس درخت کی طرف ہے جس کا پھل حضرت آدمؑ نے شیطان کے بہکاوے پر کھا کر اللہ کی نافرمانی کی تھی۔ مراد یہ ہے کہ میں آغاز کائنات ہی سے مخلوق کو گمراہ کر رہا ہوں اور میری چال ناقابل شکست ہے۔

☆......☆......☆

اُردو زباں ہماری

محمد شہزاد مجددی

ہم کو بہت ہے پیاری اردو زباں ہماری
ہے ہر زباں پہ جاری اردو زباں ہماری
گنج شکر نے اس کو بخشی مٹھاس اپنی
خسرو کی ہے دُلاری اردو زباں ہماری
اعلیٰ عدالتوں سے فرماں ہوا ہے صادر
ہو دفتروں میں جاری اردو زباں ہماری
ترکی کا اس میں تڑکا، ہے فارسی کی لذت
عربی نے ہے نکھاری اردو زباں ہماری
غنچے کی مثل چٹکی، گاندھی کو تھی یہ کھٹکی
بنیے پہ ضرب کاری اردو زباں ہماری
ہے میر و میرزا و بیدل کا فیض اس میں
غالب کی طرح داری اردو زباں ہماری
حسنِ حسن رضا کی اس میں چمک دمک ہے
ہے داغ نے سنواری اردو زباں ہماری
استاد ذوق جیسے استاذ اس کے شیدا
مومن کی وضع داری اردو زباں ہماری

☆......☆......☆

مشعل راہ

قائداعظم کے آخری لمحات

ڈاکٹر ریاض علی شاہ

زندگی کے آخری دنوں میں جب آپ زیارت میں قیام پذیر تھے، فرمایا:

’’پاکستان ایک زندہ حقیقت ہے۔ ایک ایسی حقیقت، جس کا دوست اور دشمن، سب ہی اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ پاکستان بن چکا ہے۔ پاکستان کا مستقبل درخشاں ہے۔

میری روح کو تسکین ہے۔ میرل دل کو اطمینان ہے کہ برصغیر ہند میں مسلمان غلام نہیں بلکہ ایک آزاد قوم کی حیثیت سے آزاد مملکت کے مالک ہیں۔ آج وہ ایک ایسی مملکت کے مالک ہیں جس کے وسائل و ذرائع لامحدود ہیں۔ آج ان کا اپنا وطن ہے، آزاد اور خودمختار وطن، جس کی ترقی کی راہیں وسیع ہیں، جس کا مستقبل روشن ہے۔ مستقبل قریب میں پاکستان ان شاء اللہ دنیا کا عظیم ترین ملک بن جائے گا۔‘‘

کسی قدر توقف کے بعد فرمانے لگے:

’’جب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میری قوم آج آزاد ہے تو میرا سر عجز و نیاز کے جذبات کی فراوانی سے بارگاہِ رب العزت میں سجدۂ شکر بجالانے کے لیے فرطِ انبساط سے جھک جاتا ہے۔‘‘

قائداعظم کی آنکھیں چمکنے لگیں، چہرہ سرخ ہوگیا اور آواز بلند ہوتی گئی:

’’یہ مشیت ایزدی ہے۔ یہ حضرت محمد ﷺ کا روحانی فیضان ہے کہ جس قوم کو برطانوی سامراج اور ہندو سرمایہ دار نے قرطاس ہند سے حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی سازش کر رکھی تھی، آج وہ قوم آزاد ہے۔ اس کا اپنا ملک ہے۔ اپنا جھنڈا ہے، اپنی حکومت اور اپنا سکہ ہے اور اپنا آئین و دستور ہے۔ کیا کسی قوم پر اس سے بڑھ کر اللہ کا اور کوئی انعام ہوسکتا ہے! یہی وہ خلافت ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ سے کیا تھا کہ اگر تیری امت نے صراطِ مستقیم کو اپنے لیے منتخب کر لیا تو ہم اسے زمین کی بادشاہت دیں گے۔ خدا کے اس انعامِ عظیم کی حفاظت اب مسلمانوں کا فرض ہے۔ پاکستان خداوندی تحفہ ہے اور اس تحفہ کی حفاظت ہر پاکستانی مرد و زن، بچے، بوڑھے اور جوان کا فرض ہے۔ اگر پاکستان کے عوام نیک نیتی، دیانت داری، خلوص، نظم و ضبط اور اعمال و افعال صالح سے دن رات کام کرتے رہے اور ان میں بدی، نفاق، جاہ طلبی اور ذاتی مفاد کا جذبہ پیدا نہ ہوا تو ان شاء اللہ چند سالوں میں ہی یہ دنیا کی بڑی قوموں میں شمار ہونے لگیں گے اور اس کی حدود سے ترقی کی شعاعیں نکل کر سارے ایشیا کی رہنمائی اور رہبری کریں گی اور ایشیا کو امن و آشتی اور ترقی کا راستہ دکھائیں گی۔‘‘

کوئٹہ میں قیام کے دوران ایک موقع پر فرمایا:

’’چند سال قبل یقیناً میری یہ آرزو تھی کہ میں زندہ رہوں۔ میں اس لیے زندہ رہنا چاہتا تھا کہ قوم نے جو کام میرے سپرد کیا ہے اور قدرت نے مجھے جس کام کے لیے مقرر کیا ہے، اسے پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ اب وہ کام پورا ہو چکا ہے۔ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ قوم کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ اسے مل گئی۔ اب یہ لوگوں کا کام ہے کہ وہ پاکستان کو ایک ناقابل تسخیر اور ترقی یافتہ ملک بنا دیں۔ میں طویل سفر کے بعد تھک گیا ہوں۔ آٹھ سال تک مجھے قوم کے اعتماد و تعاون پر دو عیار اور مضبوط دشمنوں سے تنہا لڑنا پڑا ہے۔ میں نے اللہ کے بھروسے پر انتھک محنت اور کوشش کی اور اپنے جسم کے خون کا آخری قطرہ تک حصول پاکستان کے لیے صرف کر دیا۔ میں تھک گیا ہوں، آرام چاہتا ہوں۔ اب مجھے زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں۔‘‘

’’اللہ آپ کو تا دیر پاکستان کی رہنمائی کے لیے زندہ رکھے۔ آپ کے بعد کون ہے جو ملت کی کشتی کو اس بھنور سے نکال کر فتح و نصرت کے ساحل تک لے جا سکتا ہے؟‘‘ میں نے اور کرنل الٰہی بخش نے کہا۔

قائداعظم نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا:

’’قدرت ایسا آدمی پیدا کر دیا کرتی ہے جس کی وقت اور حالات کو ضرورت ہوتی ہے۔‘‘

اس وقت قائداعظم کی آنکھوں میں آنسو جھلک رہے تھے اور آواز لرزا گئی تھی۔فرمانے لگے:

"گھبراؤ نہیں، اللہ پر اعتماد رکھو۔اپنی صفوں میں کج نہ آنے دو۔ انتشار نہ پیدا ہونے دو۔ دیانت اور خلوص کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ملت کے مفاد پر ذاتی مفاد کو کبھی ترجیح نہ دو۔ ان شاء اللہ قدرت تمہیں مجھ سے زیادہ عقیل اور ذہین رہنما عطا کرے گی۔"

قائداعظم کی آنکھ سے ایک موٹا سا چمکدار آنسو مسہری پر گر پڑا اور انہوں نے کمبل سے منہ ڈھانپ لیا۔ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور وہ آہستہ آہستہ فرما رہے تھے:

"اے خدا تو نے ہی مسلمانوں کو آزادی عطا کی ہے اور اب تو ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ میری قوم ابھی ابتدائی مراحل طے کر رہی ہے، کمزور ہے۔ ابھی اس کی صفوں کا کج دور نہیں ہوا۔تو ہی مدد کرنے والا ہے اور تو ہی اس کا حامی و ناصر ہے۔"

وہ دیر تک منہ ڈھانپے پڑے رہے۔ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سو گئے ہیں۔ چنانچہ ہم کمرے سے باہر نکل آئے۔

☆......☆......☆

اسلامی تاریخ

محمد بن قاسم

رسول پاک ﷺ کی ایک خوش خبری کا مصداق

اُم عائشہ

حضور ﷺ کو جب قریش مکہ کو تبلیغ کرتے ہوئے کافی سال ہو گئے اور ان پر خاطر خواہ اثر نہ ہوا تو آپؐ نے طائف کا رخ کیا۔ طائف دو پہاڑوں کے درمیان گھرا ہوا بہت ہی خوبصورت اور صحت افزا مقام ہے۔ آپؐ سیدنا زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں کے رؤسا نے آپؐ کی بات نہ سنی اور الٹا شریر لڑکوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا جو آپؐ پر پتھر مارتے تھے۔ پتھروں کی بارش سے آپ لہولہان ہو گئے اور اتنا خون بہا کہ جوتے ایڑیوں کے ساتھ چپک گئے۔ آپؐ نیم بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ اس پر ملک الجبال (پہاڑوں کا فرشتہ) نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: اگر آپؐ اجازت دیں تو ان پہاڑوں کو آپس میں ٹکرا دیا جائے اور یہ سارے لوگ اس میں پس جائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اگر اس وقت یہ لوگ مجھے نہیں پہچان پائے تو کیا عجب کہ ان کی اولادیں مسلمان نکل آئیں۔

آپؐ کی زبان پاک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ یوں پورے ہوئے کہ قبیلہ بنو ثقیف کے معزز خاندان آلِ ابی عقیل میں ایک ہونہار فرزند محمد علی قاسم پیدا ہوا۔

بنو امیہ کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں عراق کا گورنر حجاج بن یوسف تھا، جو انتظامی صلاحیتوں اور سخت گیری کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ اس دور

میں سندھ میں راجہ داہر کی حکومت تھی جو نہایت ظالم اور سفاک حکمران تھا۔ راجہ داہر نے معاویہ بن حارث اور محمد بن حارث کو اپنے پاس پناہ دے رکھی تھی، جو مکران کے گورنر سعید بن اسلم کے قتل میں ملوث تھے اور مسلمانوں کی حکومت کو مطلوب تھے۔ مسلمانوں نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا جسے راجہ داہر نے ماننے سے انکار کر دیا۔ چند سال بعد لنکا سے کچھ جہاز عرب کی طرف آ رہے تھے جن میں لنکا کے راجہ نے حجاج بن یوسف کے لیے تحائف ارسال کیے تھے۔ ان جہازوں میں ان مسلمانوں کے بیوی بچے بھی سوار تھے جو لنکا میں وفات پا چکے تھے اور اب وہ اپنے وطن واپس جا رہے تھے۔ جب یہ جہاز دیبل (کراچی) کی بندرگاہ کے قریب پہنچے تو بحری قزاقوں نے انہیں لوٹ لیا۔ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ جیل میں ایک بیوہ عورت نے حجاج بن یوسف کو بآواز بلند مدد کے لیے پکارا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع حجاج بن یوسف تک پہنچی تو وہ لرز اٹھا اور فوری طور پر راجہ داہر سے عورتوں، بچوں اور مال و اسباب کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ راجہ داہر نے انتہائی تکبر سے جواب دیا کہ بحری قزاق اس کے کنٹرول میں نہیں ہیں، حجاج بن یوسف میں ہمت ہے تو خود آ کر چھڑا لے جائے۔

یہ جواب سن کر حجاج بن یوسف نے سندھ پر فوجی کارروائی کے احکام جاری کیے۔ پہلی دونوں مہمیں ناکام رہیں اور ان کے سردار بھی شہید ہو گئے۔ چنانچہ سندھ پر بھرپور چڑھائی کے لیے حجاج بن یوسف نے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کا انتخاب کیا۔

92ھ کے نصف آخر میں محمد بن قاسم شیراز سے روانہ ہوا۔ مکران اور اومائیل کو فتح کرتے ہوئے دیبل کی بندرگاہ تک پہنچا اور اسے بھی فتح کر لیا۔ پھر

کشتیوں کا پل بنا کر دریائے سندھ کو پار کیا۔ 10 رمضان 93ھ بمطابق جون 712ء کو راوڑ یا روہڑی کے قلعے کے نزدیک راجہ داہر کے لشکر کو شکست دی اور راجہ داہر مارا گیا۔ یوں برصغیر نے رسول پاک ﷺ کی پیشین گوئی پوری کرتے ہوئے اسلام کے لیے اپنے دروازے کھول دیے۔ محمد بن قاسم فطری طور پر ان تمام صفات سے متصف تھا جو کہ ایک مسلم قائد میں ہونی چاہئیں۔

پاکستان خصوصاً سندھ کے لوگ اسی کی بدولت اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ یہ سعادت طائف ہی کے ایک بچے کے حصے میں آئی۔

اب ذرا دل تھام کر سنیے کہ سندھ میں سوشل میڈیا پر کیا گل کھلایا جا رہا ہے۔ سندھی قوم پرست حلقوں، این جی اوز، سیکولر اور لبرل حلقوں کی جانب سے راجہ داہر کو سندھ کا بیٹا قرار دے کر قومی ہیرو بنانے کی مہم چلائی جا رہی ہے۔ تاریخ کو مسخ کرتے ہوئے راجہ داہر کو ایک ایسے منصف، سندھ کے بیٹے اور کامیاب حکمران کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے جسے ایک بیرونی عرب حملہ آور نے شکست دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ حکومت کو ایسی حرکتوں کا نوٹس لینا چاہیے۔ یہ سب ایک مذموم ایجنڈے کے تحت ہو رہا ہے۔ اگر رنجیت سنگھ اور راجہ داہر ہی ہمارے ہیرو ہیں تو پھر برصغیر میں ایک الگ وطن کی کیا ضرورت تھی؟ آج ایک باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت نوجوان نسل کو من گھڑت قصوں کے ذریعے قومی اساس سے دور کیا جا رہا ہے۔ اگر زمین، علاقہ اور زبان کی بنیاد پر ہی ہیرو بنانے ہیں اور دین کے تعلق کو تسلیم نہیں کرنا تو پھر پاکستان بنانے کی وجہ ہی ختم ہو جائے گی۔ پاکستان کی واحد بنیاد اسلام ہے اور ان شاءاللہ اسلام ہی پاکستانیوں کو متحد رکھے گا!

☆......☆......☆

تاریخ کے جھروکے سے

صلۂ رحمی

مریم خنساء

رونق تو دوسری مساجد میں بھی ہوتی مگر اس مسجد کی تو بات ہی اور تھی۔ خلیفہ مہدی بنفس نفیس امامت کرواتے۔ بغداد کے تمام امیر اور وزیر شریک نماز ہوتے۔ لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے۔ یہاں پر کسی کے لیے بھی خلیفہ تک اپنی بات پہنچانا آسان ہوتا۔ کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہوتی، حاجت مندوں کی حاجت اسی وقت پوری ہو جاتی اور مظلوموں کی اسی وقت فریاد رسی ہو جاتی۔

اس دن نماز عشاء کے لیے بہت سے لوگ اکٹھے ہو چکے تھے۔ اقامت کہی گئی اور خلیفہ نے ''اللہ اکبر'' کہہ کر نماز شروع کر دی۔ سورۃ الفاتحہ پڑھنے تک ان کے ذہن میں کچھ نہیں تھا کہ وہ اس کے بعد کس سورت کی تلاوت کریں گے مگر پھر بے اختیار ان کی زبان پر سورہ محمدؐ کی آیات جاری ہو گئیں۔

> ''اگر تم حاکم بن جاؤ تو ممکن ہے کہ تم زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتہ داروں سے بدسلوکی کرو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی۔ پھر انہیں بہرا کیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ تو کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں!'' (22 تا 24)

ان آیات کا جاری ہونا تھا کہ خلیفہ کے دل و دماغ میں ایک ہلچل مچ گئی۔ رقت سے آواز بھرا گئی۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے یہ آیات آج ہی انہی کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ بڑی مشکل سے بقیہ رکعات مکمل کیں۔ سلام پھیرنے کے بعد

بھی وہ سجدے میں گر کر ہچکیاں لے لے کر روتے رہے۔ لوگ حیران تھے کہ آج کیا ہو گیا۔ پہلے بھی قرآن مجید کی تلاوت کے دوران خلیفہ پر رقت طاری ہو جایا کرتی تھی مگر ایسا کبھی نہ ہوا تھا کہ رونے کا سلسلہ اتنی دیر تک جاری رہے۔ کچھ دیر بعد وہ سنبھلے تو سنتیں پڑھنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

نماز کی تکمیل کے بعد خلیفہ نے اپنے خاص وزیر ربیع کے سوا سب کو واپس بھیج دیا۔ ایک ایک کر کے سب چلے گئے۔ خلیفہ ابھی تک سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ربیع ان کے اندرونی اضطراب سے بے خبر خود اس کشمکش میں تھا کہ مجھے کیوں روک لیا گیا!

خلیفہ کو اپنے ایک قریبی عزیز کی یاد آ گئی تھی جسے کسی غلط فہمی کی بنا پر انہوں نے خلافت ملتے ہی قید کر دیا تھا۔ یہ آیت پڑھی تو انہیں یوں لگا کہ جیسے اللہ تعالیٰ انہی کو اپنے قریبی رشتہ داروں سے بدسلوکی پر تنبیہ کر رہے ہوں۔ ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور جسم کا رواں رواں اللہ سے استغفار مانگنے لگا۔ اپنے رشتہ دار کے ساتھ کی ہوئی ایک ایک ناانصافی یاد آنے لگی۔ ایک طرف دل اس بدسلوکی پر ملامت کرتا تو دوسری طرف دماغ کہتا کہ تم نے جو کیا ٹھیک کیا۔ اس نے بھی تو تمہارے ساتھ فلاں فلاں ناانصافیاں کی تھیں۔ اگر تم اسے قید نہ کرتے تو وہ بغاوت کر کے تم سے خلافت چھین لیتا۔ پھر تم کیا کرتے۔ دل یہ دلیل دیتا کہ یہ سب باتیں ٹھیک ہیں لیکن کیا تمہیں نبی اکرم ﷺ کا وہ فرمان یاد نہیں:

> ''رشتہ داروں سے حسن سلوک، ان کے حسن سلوک کے بدلے میں کرنے کا نام نہیں بلکہ بدسلوکی کرنے والے رشتہ دار سے حسن سلوک کا نام ہے۔''

یہ فرمان یاد آتے ہی خلیفہ کے تمام وسوسے دور ہو گئے۔ انہی سوچوں میں ڈوبے ڈوبے ان کے منہ سے نکلا: ''ربیع! موسیٰ''

بات مبہم سی تھی۔ نہ جانے کون سا موسیٰ مراد تھا اور پھر اسے کیا کرنا تھا۔ خلیفہ کو وضاحت کرنے کا ہوش نہیں تھا اور ربیع میں ہمت نہیں تھی کہ سوالات پوچھے۔ اس نے خود ہی اندازہ لگایا کہ غالباً موسیٰ بن جعفر مراد ہے جو میری قید میں ہے۔

موسیٰ بن جعفر کو خلیفہ کے طلب کرنے کی اطلاع دی گئی تو وہ بھی سہم گیا۔ پہلا خیال تو یہی آیا کہ راتوں رات مروا دیا جاؤں گا تا کہ کسی کو پتا ہی نہ چلے۔ کچھ دیر بعد اسے خلیفہ کے سامنے مسجد ہی میں لا بٹھایا گیا۔ خلیفہ ابھی تک سوچوں کے حصار سے نہیں نکلے تھے۔ چہرے پر گہرے غور وفکر کے آثار نمایاں تھے۔

''موسیٰ میرے بھائی!''

خلیفہ کا یہ کہنا تھا کہ موسیٰ کے تمام خدشات دھل گئے۔

''میں نے جب **تُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ** (تم اپنے رشتہ داروں سے بدسلوکی کرتے ہو) کی آیت پڑھی تو مجھے خیال آیا کہ کہیں میں تمہارے معاملے میں بھی بدسلوکی کا مرتکب تو نہیں ہو رہا۔ اللہ کے اس حکم نے مجھے لرزا دیا۔ تم وعدہ کرو کہ میرے مقابلے میں خروج نہیں کرو گے۔ میں تمہیں رہا کر دیتا ہوں۔''

موسیٰ بن جعفر نے خلیفہ کی زبان سے اللہ کا حکم سنا تو اس کی نگاہوں میں مہدی سے کی ہوئی تمام ناانصافیاں پھرنے لگیں۔ وہ بھی تو غلط کر رہا تھا۔ رشتہ دار سے بدسلوکی کا جرم اس سے بھی تو ہوا۔ مہدی نے بغاوت نہ کرنے کا وعدہ لیا تو موسیٰ بن جعفر نے بھی وعدہ کرنے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

☆......☆......☆

علمائے حق

جو پَیر پھیلاتا ہے، ہاتھ نہیں پھیلاتا

1831ء میں دمشق میں ایک بہت بڑے عالم شیخ سعید جلیؒ رہتے تھے۔ وہ ایک مسجد میں عبادت اور اللہ کے دین کی تعلیم میں مشغول رہتے۔ شیخ صاحب ایک درویش صفت بزرگ تھے۔ نہ کبھی بادشاہوں کے درباروں میں گئے اور نہ حکومت کے افسروں کے پاس کوئی غرض لے کر۔ اس زمانے میں شام کا حکمران ابراہیم پاشا تھا۔ وہ مزاج کا بڑا سخت اور بڑے رعب داب والا حاکم تھا۔ کسی بڑے سے بڑے وزیر، امیر یا افسر کی جرأت نہ تھی کہ اس کے سامنے آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔

ایک دن دمشق میں یہ مشہور ہو گیا کہ ابراہیم پاشا فلاں دن شیخ سعید جلیؒ سے ملنے اس مسجد میں آ رہا ہے جس میں وہ درس دیتے ہیں۔ شیخ صاحب کو بھی اس کی خبر ہو گئی لیکن انہوں نے اسے ایک معمولی بات خیال کیا کہ جس طرح اور لوگ مسجد میں آتے ہیں وہ بھی مسجد میں آ جائے۔ ادھر مسجد کے اردگرد کے محلوں میں ابراہیم پاشا کے استقبال کی تیاری شروع کر دی گئی۔ لوگوں نے مسجد کے راستے میں بڑے بڑے دروازے بنائے، ان کو خوبصورت جھنڈیوں سے سجایا اور دروازوں کے اوپر خوبصورت استقبالیہ کتبے لکھوا کر لگائے۔

مقررہ دن کو ابراہیم پاشا بڑی شان وشوکت سے شاہی گاڑی میں مسجد کے سامنے پہنچا۔ اس کے ساتھ وزیروں اور خادموں کے ایک بڑے جلوس کے علاوہ ہتھیار بند حفاظتی دستہ بھی تھا۔ اس وقت شیخ سعید جلیؒ مسجد میں ایک چٹائی پر پَیر پھیلائے بیٹھے تھے۔ بہت سے شاگرد اور دوسرے لوگ سر جھکائے ان کا وعظ سن

رہے تھے۔ ابراہیم پاشا یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ ٹھٹک کر کچھ دیر کھڑا رہا، پھر اپنے حفاظتی دستے اور ساتھ آنے والے جلوس کو دور ہٹ جانے کے لیے اشارہ کیا اور خود اکیلا مسجد میں داخل ہو کر مجلس کے کنارے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ شیخ صاحب کے منہ سے نصیحتوں کے پھول ان الفاظ کی صورت میں جھڑ رہے تھے:

> ’’جب انسان ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو پھر اس سے ہر چیز خوف کھاتی ہے، اس لیے کہ وہ جب بھی کسی بڑی چیز کو دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا تصور اس چیز کو اس کی نظروں سے گرا دیتا ہے۔ افسوس کہ اس زمانے میں لوگ ’’اللہ اکبر‘‘ کے حروف کو بغیر اس کے معنی کی گہرائیوں میں پہنچنے کے دہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ وہ اس کلمہ کو ہر روز کم از کم 85 مرتبہ زبان سے ادا کرے اور اسی طرح اذان میں 30 مرتبہ سنے۔ یہ چیز اس امر کو پختہ کر دیتی ہے کہ جس شخص کو اللہ کی رضا حاصل ہو جائے اسے کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی؛ نہ بادشاہ کے خوف کی اور نہ بیماری کے ڈر کی۔‘‘

اس وقت اچانک شیخ صاحب کی نظر ابراہیم پاشا پر پڑ گئی جو بڑے غور سے ان کی باتیں سن رہا تھا اور ان کا اثر قبول کر رہا تھا۔ شیخ صاحب نے اسے بیٹھ جانے کا اسی طرح اشارہ کیا جس طرح وہ کسی عام آدمی کو کہا کرتے تھے اور پھر پہلے کی طرح پاؤں پھیلائے درس و وعظ میں مشغول ہو گئے۔ ابراہیم پاشا کا دل نرم ہو گیا تھا۔ وہ ادب سے بیٹھ گیا۔ اب شیخ صاحب یوں فرما رہے تھے:

> ’’جنت صرف خواہش اور تمنا سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ کوشش اور نیک اعمال سے ملتی ہے۔ کوئی طالب علم اگر اپنا پورا تعلیمی سال کھیل کود میں گزار دے اور پھر بھی کامیابی کی تمنا کرے تو کیا وہ کامیاب ہو جائے گا؟ کوئی شکاری اپنی بندوق دور پھینک دے اور جال بھی نہ لگائے اور پھر بھی شکار کے خواب دیکھے تو کیا اس کے خواب پورے ہوں گے؟ اگر عقل نہ ہو تو انسان کی حیثیت کیا ہے؟ اور عقل کس کام کی اگر اس کے ساتھ ایمان کی دولت نہ ہو؟ جو بادشاہ اس دنیا کی لذتوں میں مست ہیں ان کو اللہ کے مقابلے میں اپنی کمزوری اور عاجزی کو بھولنا نہیں چاہیے۔ اللہ نے بڑے طاقت ور بادشاہ نمرود کو اپنی سب سے کمزور اور حقیر مخلوق مچھر کے ذریعے ہلاک کر دیا۔‘‘

ابراہیم پاشا پر ان تمام باتوں کا ایسا اثر ہوا کہ وہ ایک رحم دل اور خدا ترس انسان بن گیا۔ اس نے بڑے ادب سے شیخ صاحب کو سلام کیا اور رخصت ہو گیا۔ اپنے محل میں پہنچتے ہی اس نے خالص سونے کے ایک ہزار دینار کی تھیلی شیخ صاحب کی خدمت میں نذرانے کے طور پر بھیجی۔ جب اس کے قاصد نے یہ تھیلی شیخ صاحب کے سامنے رکھی تو وہ مسکرائے اور تھیلی واپس کرتے ہوئے فرمایا:

> ’’اپنے آقا کا میری طرف سے شکریہ ادا کرنا اور اس سے کہنا کہ جو شخص پَیر پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا۔‘‘

☆……☆……☆

توجہ طلب

یوم دفاع: اصل سبق!

یعقوب غزنوی

پورے ملک میں چھ ستمبر کو ''یوم دفاع پاکستان'' نئی امنگوں، نئے عزائم اور نئے ولولوں کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ قوم وطن عزیز کے دفاع کے لیے ہر طرح کی قربانی اور اپنی آزادی کے تحفظ کو اولیت دینے کے غیر متزلزل عزم کا اظہار کرتی ہے۔ مضامین، تقاریب اور ٹی وی پروگراموں کے ذریعے سے قوم کو دفاع وطن کے تقاضوں سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ یہ ہماری قومی تاریخ کا وہ دن ہے جب 1965ء میں ہم سے پانچ گنا بڑے ملک بھارت نے اپنی پوری قوت کے ساتھ پاکستان پر حملہ کیا لیکن ہمارے قومی اتحاد، عزم صمیم اور ہماری بہادر مسلح افواج کی اعلیٰ فنی تربیت اور جذبہ شجاعت وشہادت کی بنا پر دشمن کے دانت کھٹے کر دیئے گئے اور اسے اقوام عالم کے سامنے شرمندگی سے دوچار ہونا پڑا۔

اس سترہ روزہ جنگ میں ہماری بری، بحری اور فضائی افواج نے پیشہ ورانہ مہارت اور شجاعت کی شاندار مثالیں قائم کیں جس کے بعد عالمی طاقتیں انہیں دنیا کی بہترین افواج میں شمار کرنے پر مجبور ہوئیں۔ اس یلغار کے وقت پوری قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح دشمن کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ ہر کوئی جارح دشمن کو سبق سکھانے کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کے لیے بے چین تھا۔ پوری قوم نے دفاع وطن کے لیے دل کھول کر فنڈز جمع کیے اور اگلے مورچوں پر لڑنے والوں کے لیے جمع کیے گئے سامان کے ڈھیر حکومت سے سنبھالنے مشکل ہوگئے۔

دشمن کو سبق سکھانے کے لیے قوم کے جذبات کا یہ عالم تھا کہ لوگ ڈنڈے اور چاقو لے کر سرحد کی طرف بھاگ رہے تھے۔ ہر طرف قومی ترانے عوام کا لہو گرما رہے تھے۔ دلوں میں طیش اور آنکھوں میں عقابی چمک لیے پوری قوم سر پر کفن باندھے وطن کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار بیٹھی تھی۔ بھرتی اور شارٹ سروس کمیشن کے دفاتر کے باہر ہزاروں افراد کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ قومی اتحاد اور جذبات کے یہ مظاہرے ہماری تاریخ کا روشن ترین باب ہیں۔ یہ دن واضح نصب العین اور دوٹوک فیصلوں کی بنا پر ہمارے لیے بہترین صلاحیت اور قوت کے دن تھے۔

اس کے بعد دشمن نے ہمارے قومی اتحاد و یکجہتی میں دراڑیں ڈالنے کے پروگرام بنائے۔ ایک طرف مشرقی پاکستان کے عوام میں احساس محرومی ابھارنے کے لیے وہاں جھوٹے اعداد وشمار کے ذریعے سے پروپیگنڈہ کیا گیا۔ بہت سے ہندوؤں کو بھارتی بنگال میں مکتی باہنی کے نام سے مشرقی پاکستان میں گوریلا جنگ شروع کرنے کی تربیت دی گئی جس سے 1970ء کے عام انتخابات میں مسلح کارروائیوں سے عوامی لیگ کے علاوہ کسی دوسری جماعت کے امیدوار کا منتخب ہونا مشکل ہوگیا۔ بھارت کے ان تربیت یافتہ مسلح افراد نے مشرقی پاکستان میں موجود مغربی پاکستان کے لوگوں کا قتل عام شروع کیا اور بالآخر ایسے حالات پیدا کر دیئے جو مشرقی پاکستان کے الگ ہوکر بنگلہ دیش بننے کا موجب بنے۔ اس کے ساتھ پاکستان کے چاروں صوبوں میں ایسی فرقہ وارانہ اور علاقائی ولسانی تنظیمیں قائم کرائی گئیں جن کا کام ملک کے مختلف گروہوں میں نفرت پیدا کر کے قوم کو انتشار کا شکار کرنا تھا۔ پہلے افغانستان میں روس کی مداخلت اور پھر 11 ستمبر

2001ء کو امریکہ میں ہونے والے دہشت گردی کے واقعات کے بعد افغانستان میں امریکہ اور اتحادی افواج کی یلغار نے ہمارے ملک میں جہادی تنظیموں کو جنم دیا لیکن دشمن نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے ایسی جہادی تنظیموں کے نام ہی سے ملت اسلامیہ میں تفرقہ پیدا کرنے کے لیے اپنے تربیت یافتہ مسلح گروہ بھی ہمارے اندر پیدا کر دیئے جو مسلسل دہشت گرد کارروائیوں میں مصروف ہیں۔

بھارت نے ایٹمی دھماکے کرنے کے بعد پاکستان کو بھی ایٹمی دھماکے کرنے پر مجبور کیا۔ اس وقت پاکستان اور بھارت دونوں ایٹمی طاقتیں ہیں۔ اب اگر ان میں کھلی جنگ ہو جائے تو یہ نہ صرف دونوں ملکوں بلکہ کرۂ ارض پر بسنے والے انسانوں کے لیے بھی بہت بڑا المیہ ہوگا۔ دشمن ہماری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جنگ نہیں کرسکتا۔ وہ اپنے دہشت گرد ایجنٹ کے ذریعے ہماری صفوں میں گھس چکا ہے۔ ہم اس جنگ سے باہر نکلنے اور اپنا دفاع یقینی بنا کر ملک میں امن و امان قائم کرنے میں کوشاں ہیں مگر ہماری کامیابی ایک بار پھر قومی سطح پر کامل اتحاد و یگانگت پیدا کرنے ہی سے ممکن ہو سکے گی۔ وہی اتحاد جو 6 ستمبر 1965ء کے تاریخ ساز دن پیدا ہوا تو مٹھی بھر فوج نے بھی دیو قامت دشمن کے عزائم خاک میں ملا دیئے تھے۔ یوم دفاع پاکستان کا اصل سبق یہی ہے جسے اَزبر کرنے اور حرف جاں بنانے کی آج ہمیشہ سے زیادہ ضرورت ہے!

☆......☆......☆

لمحہ فکریہ

پاکستان، جنگ ستمبر اور مسلم دنیا

سید ابوالاعلیٰ مودودی

ایک دانش مند قوم کو ایسے موقع پر جو اس وقت ہمیں درپیش ہے، حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر دیکھنا چاہیے کہ حریف کے مقابلے میں ہمارے کمزور پہلو کیا ہیں اور قوت و طاقت کے ذرائع کیا ہیں! عقل مندی کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ اپنی قوت اور طاقت کے ذرائع کو مضبوط کیا جائے، اور کمزور پہلوؤں کی تلافی کی تدابیر سوچی جائیں۔

ہندوستان ہم سے کئی گنا زیادہ آبادی رکھتا ہے۔ رقبے کے لحاظ سے بھی کئی گنا بڑا ہے اور ذرائع، وسائل، اسلحے کی مقدار کے لحاظ سے بھی۔ ان حیثیتوں سے ہم ان اُمور کی تلافی کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ رقبہ بڑھانا چاہیں تو نہیں بڑھا سکتے اور اگر ہم خاندانی منصوبہ بندی سے توبہ کر لیں تب بھی تعداد کے لحاظ سے اس کے برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح اس کے اسلحے کی فراہمی کے ذرائع اور وسائل بھی ہم سے زیادہ ہیں۔ ان پہلوؤں سے یہ ممکن نہیں کہ ہم اس سے بڑھ جائیں یا اس کے برابر ہی پہنچ جائیں۔

اب یہ دیکھیے کہ ہماری طاقت کے ذرائع کیا ہیں تا کہ اندازہ ہو سکے کہ اگر ہم ان ذرائع کو بڑھائیں تو ہم دشمن سے بڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ یہ ذرائع اگر ہمیں مضبوط بناتے ہیں، تو پھر یقیناً انہیں بڑھانا ہی عقل مندی کا تقاضا ہوگا۔

ہماری طاقت کے اتھاہ ذخیرے

ہمارے لیے سب سے اولین شعبہ طاقت کا وہ اتھاہ ذخیرہ ہے جس میں ہندوستان بلکہ پوری کافر دنیا ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ یہ ایمان اور اسلام کی دولت ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اس چند روزہ جنگ میں ہمیں کامیابی اس لیے ہوئی کہ ہماری فوج دشمن کی فوج کے مقابلے میں زیادہ تربیت یافتہ تھی تو میں اسے غلط نہیں کہتا، مگر واقعہ یہ ہے کہ محض فوجی تربیت اور اسلحے کے استعمال کی مہارت ہی وہ چیز نہ تھی جس نے ہمیں فتح یاب بنایا۔ ہماری فوجی تربیت وہی تھی جو انگریزی نظام عسکریت کے تحت ہم نے پائی۔ اُدھر دشمن نے بھی یہی تربیت حاصل کی تھی۔ اگر محض اسی پر ہمارا انحصار ہوتا تو ہم بازی نہیں جیت سکتے تھے۔ تب وہ چیز کیا تھی جس نے ایک اور دس کے مقابلے میں ہمیں کامیاب کرایا؟ دراصل وہ چیز اللہ پر ایمان، آخرت کا یقین، محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کی محبت، اور یہ یقین تھا کہ اگر ہم شہید ہو گئے تو ہماری بخشش ہو گی اور ہم جنت میں جائیں گے۔ اس چیز نے ہمارے سپاہی کو طاقت ور بنایا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نصرت عطا فرمائی ہے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ ان علاقوں سے جو دشمن کی زد میں تھے، ہماری آبادی اس طرح نہیں بھاگی جس طرح دوسری جنگ عظیم کے دوران فرانس کی آبادی ان علاقوں سے بھاگی جن پر جرمن فوجوں نے حملہ کیا تھا۔ ہمارے تاجر نے اس اخلاق کا ثبوت دیا جو زندہ قوموں کے شایان شان ہے۔ اس کی نظیر نہیں ملتی کہ جنگ چھڑ جائے اور ضرورت کی عام چیزیں بازار سے غائب نہ ہوں بلکہ پہلے سے بھی سستی ہو جائیں۔ یہ آخر کس چیز کا فیض ہے بجز ایمان کے اور ان اخلاقیات کے جو ہمیں اسلام کی بدولت حاصل رہے ہیں! درحقیقت اللہ تعالیٰ کے

عطا کیے ہوئے دین اسلام کے سوا اور کوئی چیز ہمیں بچانے والی نہیں ہے۔

تجربے سے سبق

ایک عقل مند کا کام یہ ہوتا ہے کہ جب حریف کے مقابلے میں اسے اپنی طاقت وقوت کے ذرائع کا علم ہو جائے تو انہیں بڑھانے کی کوشش کرے، نہ کہ انہیں ختم کرنے میں لگ جائے۔ یہ تجربہ جو ہمیں اس جنگ میں ہوا ہے، ہم اسے بار بار نہیں دہرا سکتے۔ ہم اپنے نوجوانوں کو وہ تعلیم نہیں دے سکتے جو انہیں ذہنی شکوک وشبہات میں مبتلا کرے۔ ہم قوم کو عیاشی کی شراب نہیں پلا سکتے۔ ہم قوم کی اخلاقیات کا ستیاناس نہیں کر سکتے۔ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ ہماری مسلسل غلطی کے باوجود صرف ایمان اور اخلاق ہی ہمارے کام آئے ہیں۔ اب اگر ہم بار بار اپنی اسی طاقت کو کمزور کرنے والے طریقے اور راستے اختیار کرتے چلے جائیں گے تو نہ معلوم ہم میں سے کتنے آئندہ بھی مضبوط ثابت ہوں؟ ہر نئی آزمائش کے موقع پر پہلے سے کمزور ہوتے چلے جانا ایک فطری چیز ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں ہماری کسی غلطی کی سزا نہیں دی۔ اس لیے اب ہمیں اپنی ایمانی قوت کو مضبوط کرنے اور اخلاقی طاقت کو ناقابل تسخیر بنانے والے ذرائع کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ ہمیں اپنے نظام تعلیم کا جائزہ لینا چاہیے کہ یہ نوجوانوں میں کس حد تک ایمان کے بیج بوتا ہے۔ اس سلسلے میں جہاں کمزوری ہو، اسے رفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اسی طرح ہمیں اپنے اخلاق کو سنبھالنے کی فکر کرنی چاہیے۔ نشرو اشاعت کے تمام ذرائع کو اس کی فکر کرنی چاہیے اور وہ کام نہ کیے جائیں جو اخلاق کو کمزور کرنے والے ہوں، بلکہ ایک سچے مسلمان کی سیرت کو نشوونما دینے کی نیت اور جذبے سے کام کیا جانا چاہیے۔

ہمارے فطری اتحادی

ہندو قوم چاہے کتنی ہی کثیر تعداد میں کیوں نہ ہو، وہ بھارت تک محدود ہے۔ اس کے برعکس یہ اللہ کا فضل ہے کہ ہم اس دینِ حق سے تعلق رکھتے ہیں جو دنیا کے ہر گوشے میں پھیلا ہوا ہے۔ مسلمان جہاں بھی ہیں وہ فطری طور پر ہمارے دوست اور اتحادی ہیں اور یہ بھی اسلام کی بدولت ہے۔ پھر مسلمان ملکوں میں سے جو اقوامِ متحدہ کے رکن ہیں، یہ سب ہمارے فطری اور پیدائشی حامی ہیں۔ ان ممالک کی حکومتیں اگر کسی موقع پر ہماری حمایت نہ بھی کرتی ہوں، تب بھی ان ملکوں کے عوام ہمیشہ ہماری حمایت کرتے ہیں۔

جہادِ پاکستان نے عالم اسلام پر جو اثر ڈالا ہے، اس مناسبت سے عرب دنیا کے ایک نامور لیڈر کہتے ہیں: ''اسرائیل کی آبادی صرف 22 لاکھ ہے اور سات آٹھ کروڑ عرب اس سے ڈرتے ہیں، جب کہ پاکستان نے صرف دس کروڑ کی آبادی کے ساتھ 48 کروڑ آبادی کے بھارت کے دانت کھٹے کر دیے ہیں۔'' پھر انہوں نے یہ سوال عربوں کے سامنے رکھا ہے کہ: غور کیجیے کہ آخر وہ کون سی بنیادی وجہ ہے کہ جو آپ کو اسرائیل کے مقابلے میں کمزور بنائے ہوئے ہے؟

ان نکات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جہادِ پاکستان نے خود عالم اسلام پر کیسا عظیم الشان اثر ڈالا ہے۔ فی الحقیقت یہ جو کچھ ہوا ہے، بالکل فطری طور پر ہوا ہے۔ یہ ہماری کوششوں سے نہیں ہوا، لیکن اسے اب نشو ونما دینا ہمارا فرض ضرور ہے۔

گزشتہ برسوں میں ہم نے مسلمان ملکوں کو اپنے ساتھ لے کر چلنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی۔ پاکستان سے پہلے ہم اس بھروسے پر تھے کہ ہندوؤں کے

مقابلے میں دنیا کے مسلمان ہمارے ساتھ ہیں اور تقسیم ہند کے بعد بھی ہم اسی بھروسے پر رہے، لیکن بھارت نے مسلم ممالک کو ہم سے توڑنے کی زبردست مہم شروع کر دی۔ اس نے مسلمانوں کو ہم سے توڑنے کے لیے اپنے عربی دان مسلمانوں کو پروپیگنڈے کے لیے عرب ملکوں میں بھیجا، جنہوں نے وہاں کے دانش وروں اور لیڈروں کو یقین دلایا کہ پاکستان تو انگریزی استعمار کی پیداوار ہے۔ بھارت نے پاکستان کے خلاف اس قدر زہر پھیلایا کہ 1956ء میں جب میں عرب ملکوں میں گیا تو مجھ سے وہاں مقیم پاکستانیوں نے کہا کہ ان ملکوں میں ہمیں خود کو پاکستانی کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ یہاں ہمیں مغربی استعمار کا آلہ کار سمجھا جاتا ہے۔ بھارت نے جو زبردست پروپیگنڈا کیا، یہ سب کچھ اس کا نتیجہ تھا۔ لیکن یہ سراسر اللہ کا فضل ہے کہ اس جنگ کے دوران یہ کوشش ناکام ہوگئی۔

ٹھوس اقدامات کی ضرورت

اسلام کی بدولت یہ سب کچھ اگر ہمیں اپنی کسی خاص کوشش کے بغیر حاصل ہوا ہے تو عقل مندی یہ ہے کہ اب ہم اپنی خاص کوشش سے اسے بڑھائیں۔

اس ضمن میں ہمارے سفارت خانوں نے جو کردار ادا کیا ہے، اس کے متعلق نرم سے نرم الفاظ میں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے کوئی خاص خدمت انجام نہیں دی۔ حج کے لیے جانے والے لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اس موقع پر ہندوستان صاف ستھری عربی زبان میں اپنے پروپیگنڈے پر مشتمل پمفلٹ تقسیم کرتا ہے کہ ''بھارت کے مسلمان خیریت سے ہیں اور انہیں ہر طرح کا آرام اور سہولتیں حاصل ہیں۔'' اس کے مقابلے میں حقائق کو سامنے لانے کے لیے ہمیں اول تو کوئی چیز شائع کرنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ اگر ہو بھی تو نہایت گھٹیا انداز

میں کہ اسے کوئی پڑھتا بھی نہیں۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ عرب ممالک میں ہمارے سفارت خانوں میں عربی جاننے والے لوگ موجود ہوں اور دوسرے ممالک کے سفارت خانوں میں بھی اس ملک کی زبان جاننے والے لوگ ہوں۔ فارن سروس میں لیے جانے والے لوگوں کے لیے یہ چیز لازمی کرنی چاہیے تاکہ وہ اس ملک میں اپنا موقف اور نقطۂ نظر کامیابی کے ساتھ پیش کر سکیں۔

خود ہمارے نظام تعلیم میں بھی عربی کو ایک لازمی زبان کی حیثیت سے شامل کیا جائے۔ عربی زبان جسے مُلّا کی زبان سمجھا جاتا رہا ہے، آج دنیا کے 13 ایسے ممالک کی زبان ہے جو خلیج فارس سے اٹلانٹک تک پھیلے ہوئے ہیں اور اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔ ان ملکوں میں ڈاکٹروں، انجینئروں، پروفیسروں اور دیگر ٹیکنیکل عملے کی ضرورت ہے۔ ہم یقیناً ایسا عملہ ان ملکوں کو دے سکتے ہیں، لیکن زبان کی اجنبیت مانع ہے۔ وہ لوگ اپنی ضرورت کے تحت ڈاکٹر اور انجینئر وغیرہ منگواتے ہیں، مگر جب وہاں ڈاکٹر اور مریض کے درمیان، انجینئر اور اس کے ماتحت عملے کے درمیان زبان کی مشکل حائل ہوتی ہے تو پھر انگریزی مترجمین کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر ہمارے ہاں کالجوں میں وظیفے دے کر طلبہ کو عربی پڑھنے پر آمادہ کیا جا سکے، تو یہ ماہرین ہمارے قدرتی سفیر ثابت ہوں گے۔ اس طرح کوئی وجہ نہیں کہ وہ ملک ہماری حمایت نہ کریں۔

میں نے یہ چند عملی تجاویز مختصر الفاظ میں بیان کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انہیں بروئے کار لانے کی توفیق دے۔

(16 اکتوبر 1965ء کو انجمن شہریان لاہور کے جلسے سے خطاب)

☆......☆......☆

قومی تاریخ

جنگ ستمبر 1965ء: کچھ یادیں، کچھ باتیں

پروفیسر محمد سعید شیخ

پیر کا دن تھا۔ پورے لاہور کی طرح مال روڈ کی دکانیں بھی صبح آٹھ ساڑھے آٹھ بجے کھل چکی تھیں اور کاروبار حیات رواں دواں تھا۔ میں ریگل چوک میں واقع ایک پرانی بلڈنگ میں موجود اپنے دوست محمد قیوم کی دکان پر بیٹھا تھا۔ اس کے ایک کونے میں ایک چھوٹا سا پٹرول پمپ ہوتا تھا۔ مختلف کونوں میں دو تین حجام بیٹھے رہتے اور ایک کونے میں نان چنے بیچنے والا۔ تقریباً ساڑھے دس بجے ایک زوردار دھماکے سے سارا علاقہ گونج اٹھا۔ تمام دکاندار سڑکوں پر آ گئے اور سراسیمگی پھیل گئی۔ لگتا تھا دھماکا ایک آدھ میل کے فاصلے پر ہوا ہے۔ مختلف دکانداروں نے اپنے ملازمین کو سائیکلوں پر لکشمی چوک، میکلوڈ روڈ، مزنگ چونگی، ریلوے سٹیشن اور گورنمنٹ کالج کی جانب روانہ کیا۔ ابھی ان میں سے کوئی بھی واپس نہیں آیا تھا کہ ایک دکاندار کو اس کے واقف کار کا باٹاپور سے ٹیلی فون آیا کہ بھارت نے پاکستان پر صبح سویرے حملہ کر دیا ہے اور اس کی فوجیں بی آر بی نہر کی طرف پیش قدمی کر رہی ہیں۔ یہ اطلاع آتے ہی ماحول تبدیل ہو گیا۔ لوگوں نے ''نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر'' کی صدائیں بلند کرنا شروع کر دیں۔ خوف جہاں سے آیا تھا وہیں چلا گیا اور اس کی جگہ عجیب جوش و ولولے کا سماں پیدا ہو گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے لوگوں کو کوئی خوشی کی خبر مل گئی ہے۔

اس زمانے میں موٹر سائیکل کم ہی ہوتی تھی اس لیے بے شمار لوگ سائیکلوں پر

ہی واہگہ بارڈر کی طرف چل پڑے۔ میں نے بھی بس پکڑی اور یونیورسٹی کی طرف روانہ ہوگیا، جہاں میں ایم اے سیاسیات کا طالب علم تھا۔ راستے میں مسافروں کا جذبہ دیدنی تھا۔ کوئی بھی خوف زدہ نہیں تھا۔ یونیورسٹی پہنچا تو عجیب ماحول تھا۔ ٹرانسسٹر ریڈیو بعض طلبہ و طالبات کے ہاتھوں میں تھے اور ان کے گرد جمگھٹا لگا ہوا تھا۔ پتہ چلا کہ سب سے پہلے طلبہ و اساتذہ نے بی بی سی کو سنا۔ بی بی سی نے آل انڈیا ریڈیو کے حوالے سے خبر دی کہ بھارتیں فوجیں لاہور میں داخل ہوگئی ہیں اور انارکلی بازار کے دکاندار ان کا استقبال کر رہے ہیں۔ یہیں سے ان دونوں اداروں کا جھوٹ پکڑا گیا اور آکاش وانی، جھوٹوں کی نانی کے نام سے بدنام ہوگئی۔ بعدازاں توجہ ریڈیو پاکستان کی طرف گئی۔ اگرچہ ٹیلی وژن چند ماہ پہلے آچکا تھا لیکن اس کی نشریات شام کے محدود اوقات میں دیکھی جاتی تھیں اسی لیے سارا انحصار ریڈیو پاکستان پر تھا۔

پتہ چلا کہ ہندوستانی فوجوں نے علی الصبح بغیر اعلان جنگ کیے لاہور اور بعدازاں سیالکوٹ پر حملہ کر دیا ہے۔ پاکستانی سرحدوں پر معمول کے مطابق نفری تھی لیکن ان جاں فروشوں نے اپنے سے کئی گنا بڑے حملہ آوروں کو ایک توپ اور معمولی اسلحہ کی مدد سے کئی گھنٹے تک روکا۔ پھر ہیڈکوارٹر سے فوجی کمک پہنچ گئی۔

اس اچانک حملے کا پس منظر یہ تھا کہ کشمیر میں 1964ء سے تحریک آزادی بہت زور شور سے چل رہی تھی جو بھارت سے سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔ بھارت کا خیال تھا کہ پاکستانی افواج کشمیری مجاہدین کا روپ دھار کر جنگ کر رہی ہیں۔ اس سے گھبرا کر اس نے بین الاقوامی سرحد پر جنگ کا آغاز کر دیا۔ بھارتی فوج کے کمانڈر انچیف جنرل چودھری نے کمانڈروں کے اجلاس میں 5 ستمبر کو بڑھک

ماری کہ پاکستان پر یہ حملہ بہت اچانک ہوگا۔ میں کل دوپہر کا کھانا آپ کو شالامار باغ میں کھلاؤں گا اور شام کی چائے اور رات کا ڈنر لاہور جم خانہ کلب میں دوں گا لیکن اس کی یہ امید خاک میں مل گئی جب وہ بی آر بی نہر بھی عبور نہ کر سکے۔

لاہور کا یہ حال تھا کہ جس کے ہاتھ تلوار، خنجر حتیٰ کہ چارپائیوں کے بالے تک لگے، لے کر بارڈر کی جانب چلے پڑے۔ فوجی قافلے جہاں سے گزرتے لوگ انہیں چائے، بوتلیں، پھل وغیرہ پیش کر رہے تھے۔ بچے، بوڑھے، جوان فوجی گاڑیوں کے ساتھ ساتھ بھاگ رہے تھے، حتیٰ کہ ہزاروں لوگ بارڈر تک پہنچ گئے اور فوجی گاڑیوں سے اسلحہ منتقل کرنے میں ہاتھ بٹانے لگے۔ صبح کے حملے کی وجہ سے سرحدی علاقوں سے بہت سے لوگ ''مہاجر'' ہو کر شہر کے اس پار آ گئے۔ پورے لاہور سے ان کے لیے کھانے کی دیگیں پہنچنا شروع ہو گئیں۔ اندرون شہر تو یہ حال تھا کہ ریڑھے والے بغیر کرایہ لیے سامان پہنچا رہے تھے۔ لکڑی والے مفت لکڑیاں اور باورچی بغیر معاوضہ کے پکوائی کرنے لگے۔ خواتین اپنی پس انداز کی ہوئی رقوم دے رہی تھیں۔

6 ستمبر کی رات تک پاکستان کی افواج نے اپنی پوزیشن مستحکم کر لی تھی۔ دو چار دن میں پاکستانی فوج بھارتی علاقے میں داخل ہوگئی۔ بھارت کا ایک فوجی افسر اپنی جیپ اور ڈائری چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس ڈائری سے پاکستان کو بہت سی معلومات حاصل ہوئیں۔ بھارتی فضائیہ اپنی پیدل فوج کی مدد کے لیے لاہور کی فضا میں داخل ہوئی تو پاکستانی طیاروں نے اس کا تعاقب کیا۔ پاکستانی فضائیہ بالخصوص ایم ایم عالم نے دنیا کی حربی تاریخ میں اپنا نام رقم کرایا۔ چند منٹوں میں نو جہاز گرا دیئے گئے۔ پھر پاکستان کے شاہینوں خاص طور پر سیسل چودھری اور دیگر

نے بھارتی فوجی اڈوں ہلواڑہ، جام نگر، جمشید نگر، انبالہ وغیرہ پر اتنے تابڑ توڑ حملے کیے کہ ان کے جہاز وہیں تباہ ہو گئے اور ہوائی اڈے ناقابل استعمال ہو گئے۔

یہی حال ان کی بحریہ کا ہوا کیونکہ انڈونیشیا نے اپنی بحریہ کو سمندر میں سرگرم کر دیا۔ بھارت اس سے چھیڑ چھاڑ کر کے جنگ کو بین الاقوامی نہیں بنا سکتا تھا۔ رضا شاہ پہلوی کی قیادت میں ایران نے پاکستان کی بھرپور مدد کی جو ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ افغانستان کے ساتھ پاکستان کے تعلقات کبھی بھی مثالی نہیں رہے لیکن بھارت کے دباؤ کے باوجود ظاہر شاہ نے اپنے علاقے کو پاکستان کے خلاف استعمال کرانے سے صاف انکار کر دیا۔ چین نے ہر طرح سے پاکستان کی مدد کی اور بھارت کی سرحدوں پر فوجی نقل و حرکت شروع کر دی تاکہ اس پر دباؤ بڑھایا جائے۔ سعودی عرب تمام حدود و قیود توڑ کر پاکستان کی حمایت کر رہا تھا۔

بات مکمل نہیں ہوتی اگر میڈیا کا ذکر نہ کیا جائے۔ جنگ کے دنوں میں ریڈیو پاکستان کا سب سے زیادہ مقبول پروگرام ''جمہور دی آواز'' تھا جسے نظام دین اور نور الدین کرتے تھے۔ عوام سارا دن ان کے پروگرام کا انتظار کرتے تھے۔ ہمارے فنکاروں نے بھی جس طرح اپنے وطن سے محبت کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ملکہ ترنم نور جہاں از خود ریڈیو پاکستان پہنچ گئیں اور کہا کہ مجھے اپنے ملک سے محبت کے اظہار کا موقع دیا جائے۔ صوفی تبسم بھی اتفاقاً وہیں موجود تھے۔ انہوں نے ترانے تخلیق کیے اور نور جہاں نے ان کو گانا شروع کر دیا۔ مسعود رانا، مہدی حسن، نسیم بیگم، شوکت علی، مالا بیگم، استاد امانت علی اور دیگر گلوکاروں نے ایسے ایسے ترانے گائے جو امر ہو گئے۔

☆......☆......☆

دعوتِ دین

آیئے رجوع کریں

محمد مزمل احسن شیخ

یقیناً موت کا ذائقہ ہر نفس نے چکھنا ہے۔ اللہ شر اور خیر سے آزماتے ہیں۔ بڑے عذابوں سے پہلے ادنیٰ عذاب رجوع کرانے کے لیے آتے ہیں۔ بر و بحر میں انسانوں کے ہاتھوں فساد ظاہر ہو رہا ہے تاکہ اس کے اثر سے نیک لوگ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ تباہ شدہ قوموں کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے رجوع کا موقع گنوا دیا۔ ہر نبی معجزات کے ساتھ عملی نمونہ پیش کرتا رہا۔ ہمارے لیے بھی اب گنجائش ہے کہ حق کی دعوت دیں تاکہ قوم اللہ کی طرف لوٹ آئے۔

اللہ تعالیٰ ہر جرم پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا رہتا ہے تاکہ توبہ کر کے انسان اپنی اصلاح کر لے۔ منکر اور نافرمان عذابوں کی توجیہہ کرتے ہیں جبکہ مومن قرآن و حدیث کی روشنی میں مان لیتا ہے۔

بیماری مومن کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور وہ رجوع الی اللہ سے اللہ کے قرب سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ منافق، کافر، فاسق، بدکار اس کو ایک وقتی کیفیت سمجھتا ہے اور پہلے سے بھی زیادہ اکڑ جاتا ہے۔

اللہ کے آگے رجوع کے لیے نسخہ درج ذیل ہے:

1- توبہ و استغفار: شرک سے، نفاق سے، ریاکاری سے، آنکھوں کی خیانت سے، جھوٹ، حرام روزی اور حرام خوری سے توبہ کرنی چاہیے۔

2- شکر گزاری: اللہ کی بے شمار نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔

3- تجدید ایمان: ایمان کو تازہ کرنے کے لیے لا الہ الا اللہ کا ورد، قرآن مجید کی تلاوت، افضل الدعا الحمد للہ اور مسنون ذکر کرتے رہنا چاہیے۔

4- اصلاح معاشرہ: ہر بزرگ، عالم، باپ، ماں اور استاد کو اپنے عملی نمونے سے اور قرآن وسنت کے حوالے سے نصیحت کرتے رہنا چاہیے۔

5- دعا: یہ مومن کا اسلحہ ہے۔ ہر نبی نے امت کے لیے دعائیں کیں۔

☆......☆......☆

محنت میں عظمت

اَن پڑھ سرجن

ڈاکٹر حافظ محمد فاروق

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سرجن ہو اور اَن پڑھ! اللہ کی قدرت کہ وہ کیسے بندوں کو نوازتا ہے۔ ہیملٹن کیپ ٹاؤن کے ایک دور دراز گاؤں سینٹانی میں پیدا ہوا۔ والدین کی طرح بکری کی کھال پہن کر سارا دن ننگے پاؤں بکریاں چراتا۔ والد کی بیماری کی وجہ سے کیپ ٹاؤن آ گیا اور یونیورسٹی میں مزدوری کرنے لگ گیا۔ پیسے باپ کو بھیجتا۔ رات کو چنے کھا کر کھلے گراؤنڈ میں سو جاتا۔

تعمیراتی کام ختم ہوا تو مالی بھرتی ہوا۔ ٹینس کورٹ کی گھاس کاٹتا۔ تین برس گزرے تو ایک نرم اور گرم صبح اس کی زندگی میں عجیب موڑ آیا۔ پروفیسر رابرٹ جونز زرافے پر تحقیق کر رہے تھے کہ گردن جھکانے پر پانی پیتے ہوئے اسے غشی کا دورہ کیوں نہیں پڑتا۔ پروفیسر نے زرافے کو بے ہوش کیا لیکن آپریشن شروع کرتے ہی اس نے گردن ہلا دی۔ ضرورت پڑی کہ کوئی مضبوط شخص اسے جکڑ کر رکھے۔ پروفیسر نے باہر آ کر ہیملٹن کو گھاس کاٹتے دیکھا۔ اس نے اس مضبوط آدمی کو بلا کر حکم دیا کہ زرافے کی گردن جکڑے رکھے۔ آٹھ گھنٹے یہ آپریشن جاری رہا۔

ڈاکٹر وقفے وقفے سے کافی چائے پیتے رہے، لیکن ہیملٹن کھڑا ہی رہا۔ فارغ ہوتے ہی باہر جا کر اس نے گھاس کاٹنی شروع کر دی۔ اب روزانہ ہیملٹن جانوروں کی گردنیں گھنٹوں پکڑے رکھتا، پھر گھاس بھی کاٹتا رہتا۔ کئی مہینے

گزرے، نہ اس نے اضافی معاوضہ مانگا نہ ہی شکایت کی۔

پروفیسر رابرٹ نے اس کی استقامت اور اخلاص سے متاثر ہو کر مالی سے لیب اسسٹنٹ بنا دیا۔ اب ہیملٹن یونیورسٹی آ کر سرجنوں کی مدد کرتا۔ یوں برسوں گزر گئے۔ 1958ء میں ڈاکٹر برنارڈ یونیورسٹی میں آئے۔ انہوں نے دل کی منتقلی کے آپریشن شروع کیے۔ ہیملٹن ان کا اسسٹنٹ بن گیا۔ وہ بڑے غور سے دیکھتا رہتا۔ اب وہ لیب اسسٹنٹ سے ایڈیشنل سرجن بن گیا۔

ڈاکٹر آپریشن کرتے اور وہ ٹانکے لگاتا۔ اس کی انگلیوں میں اتنی صفائی اور تیزی تھی کہ وہ ایک دن میں پچاس پچاس لوگوں کے ٹانکے لگا لیتا۔ اس دوران وہ انسانی جسم کو سرجنوں سے زیادہ سمجھنے لگا۔ چنانچہ اسے جونیئر ڈاکٹروں کو سکھانے کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔

وہ آپریشن کی تکنیک سکھانے لگ گیا اور آہستہ آہستہ یونیورسٹی کی اہم ترین شخصیت بن گیا۔ اگرچہ وہ میڈیکل سائنس کی اصطلاحات سے ناواقف تھا لیکن دنیا کے بڑے سے بڑے سرجن سے بہتر تھا۔

1970ء میں اس کی زندگی میں تیسرا موڑ آیا۔ اسی سال جگر پر تحقیق شروع ہوئی تو اس نے آپریشن کے دوران جگر کی ایک ایسی شریان کی نشان دہی کر دی جس کی وجہ سے جگر کی منتقلی آسان ہو گئی۔

ہیملٹن کی اس نشان دہی نے میڈیکل سائنس کے بڑے دماغوں کو حیران کر دیا۔ آج دنیا کے کسی کونے میں بھی کسی شخص کے جگر کا آپریشن ہوتا ہے اور مریض آنکھ کھول کر روشنی دیکھتا ہے تو اس کامیاب آپریشن کا سہرا ہیملٹن کے سر ہوتا ہے۔

ہیملٹن کو یہ مقام اخلاص اور استقامت سے ملا۔ وہ آدھی صدی کیپ ٹاؤن یونیورسٹی سے منسلک رہا۔ ان پچاس سالوں میں اس نے کبھی چھٹی نہیں کی۔ وہ رات تین بجے گھر سے نکلتا اور چودہ میل پیدل چل کر ٹھیک چھ بجے یونیورسٹی تھیٹر میں داخل ہوتا۔ لوگ اس کی آمد و رفت سے گھڑیاں درست کرتے تھے۔ ان پچاس سالوں میں تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ نہیں کیا، نہ ہی اوقات کار کی طوالت اور سہولتوں کی کمی کا شکوہ کیا۔ پھر اس کی زندگی میں ایسا وقت بھی آیا کہ اس کی مراعات اور تنخواہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے زیادہ تھیں۔

وہ 2005ء میں فوت ہوا تو اسے یونیورسٹی میں دفن کیا گیا۔ اس نے اَن پڑھ ہونے کے باوجود استاد اور سرجن کی حیثیت سے تیس ہزار سرجنوں کو ٹریننگ دی۔ نتیجے میں اسے ''ماسٹر آف میڈیسن'' کی اعزازی ڈگری دی گئی۔ وہ سیاہ فام تھا جس نے ساری زندگی نہ سکول کا منہ دیکھا نہ ہی انگریزی کا ایک لفظ پڑھ اور لکھ سکتا تھا، لیکن 2003ء میں دنیا کے مشہور سرجن پروفیسر ڈیوڈ ڈینٹ نے کہا کہ یہ اعزازی ڈگری ہیملٹن کو دے رہے ہیں کہ وہ ایک غیر معمولی اور حیران کن سرجن ہے۔

☆......☆......☆

دینی حمیت

فقیر اور فرنگی

کوئی ڈیڑھ سو سال ادھر کی بات ہے۔ دہلی کی جامع مسجد کی سیر کے لیے کوئی انگریز آیا۔ مسجد کی سیڑھیوں پر فقیر بھی بیٹھے رہتے ہیں۔ اس وقت بھی بیٹھے تھے۔ انگریز پاس سے گزرا تو ایک خستہ حال فقیر نے ہاتھ پھیلا دیا۔ انگریز نے جیب سے بٹوا نکال کر اسے کچھ دیا۔ جب بٹوا واپس جیب میں رکھنے لگا تو بے خیالی میں وہ نیچے گر پڑا۔ انگریز آگے بڑھ گیا۔ فقیر نے دیکھا کہ بٹوا سامنے پڑا ہے تو جھٹ اٹھا لیا اور گڈری میں چھپا لیا۔ فرصت سے اسے کھول کر دیکھا تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ بٹوا چمکتی ہوئی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا۔ قلاش فقیر کچھ دیر تو اشرفیوں کو حرص سے دیکھتا رہا، پھر کچھ سوچ کر بٹوے کو گڈری میں دبا کر رکھ دیا۔

چند روز بعد وہ انگریز پھر آیا۔ فقیر نے اسے پہچان کر کہا: ”صاحب! اس دن آپ کا بٹوا گر گیا تھا۔ یہ لیتے جائیے۔“ انگریز حیران ہو کر بولا: ”اس میں اتنی اشرفیاں تھیں۔ تمہاری نیت نہیں بگڑی؟“ فقیر نے کہا: ”بگڑی تو تھی مگر کچھ سوچ کر ارادہ بدل دیا۔ مجھے خیال آیا حشر کے دن حضرت عیسیٰؑ کے سامنے میرے مولا محمد ﷺ کی گردن جھک جائے گی کہ ان کے ایک امتی نے ایک عیسائی کی اشرفیاں ہتھیا لیں۔“ یہ سن کر انگریز نے مسلمان فقیر کو دو اشرفیاں بطور انعام پیش کیں، لیکن فقیر نے یہ کہہ کر انہیں بھی لینے سے انکار کر دیا کہ: ”جناب! یہ بھی وہی بات ہے۔ میں بھوکا مر سکتا ہوں لیکن اپنے مولا کو سبک نہیں کر سکتا۔“

طب و صحت

بادام

بادام کو ہر چھوٹا، بڑا پسند کرتا ہے۔ ہر چیز جس میں بادام شامل ہو جائیں، اس کا ذائقہ دوبالا ہو جاتا ہے۔ کوئی بھی مٹھائی ہو، بادام اس کے حسن کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ اس کی کاشت زمانہ قدیم سے کی جا رہی ہے۔ اردو، فارسی اور ہندی میں اسے بادام کے نام ہی سے پکارتے ہیں۔ انگریزی میں almond کہتے ہیں۔ پاکستان کے علاوہ فرانس، سپین، اٹلی، امریکا، فلسطین، ایران اور افغانستان میں بھی اس کی کاشت کی جاتی ہے۔ پاکستان میں کوئٹہ، قلات ڈویژن میں اس کے باغات ہیں۔ پاکستانی اقسام میں عبدالواحدی بادام بہت مشہور ہے جو نہایت مزے دار اور بڑا ہوتا ہے۔

ذائقے کے لحاظ سے بادام کی دو اقسام ہیں: ایک کڑوا اور دوسرا میٹھا۔ کڑوے بادام کا درخت علیحدہ ہوتا ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم میٹھے باداموں میں کڑوے باداموں کی ملاوٹ کر دیتے ہیں۔ عام طور پر اس کا درخت 20 سے 25 فٹ تک اونچا ہوتا ہے۔ پتے اوپر سے چوڑے اور نیچے سے تنگ ہوتے ہیں۔ پھل جب کچا ہوتا ہے تو سبز رنگ کا مخملی چھلکا اسے لپٹا ہوتا ہے۔ اس وقت گری کا مزہ کچھ کسیلا اور کھٹاس لیے ہوتا ہے۔ پھل جب پک جاتا ہے تو اوپر کا چھلکا پھٹ کر علیحدہ ہو جاتا ہے۔ عبدالواحدی بادام ایک انچ لمبا اور اس کا ایک سرا گول اور دوسرا نوک دار ہوتا ہے۔ اس کی گری پر چھلکا بھورا اور جھری دار ہوتا ہے۔ بادام ایک مقوی غذا ہے۔ 100 گرام بادام میں 550 حرارے ہوتے ہیں۔ اس میں شامل بعض پروٹین جسمانی نشوونما کے لیے بہت ضروری ہوتی ہیں۔

زمانہ قدیم سے بادام دماغ کے لیے بہت مفید سمجھے جاتے ہیں۔اس لیے مختلف طریقوں سے نزلہ، زکام، خشک کھانسی، نیند کی کمی، دماغی طاقت اور بینائی کی طاقت کے لیے بہت مشہور ہیں۔

اس کا روغن بھی نکالا جاتا ہے۔ بادام روغن بھی قبض، مثانے کی خراش، آنتوں کی سوزش اور کانوں کے بجنے میں استعمال ہوتا ہے۔کڑوے بادام کا روغن چہرے کی رنگت، چھائیوں اور جلد کے ملائم کرنے کے لیے کریموں اور لوشنوں میں استعمال ہوتا ہے۔جسم پر بادام روغن کی مالش سے خشکی دور ہوتی ہے۔قورمہ اگر ذائقہ دار ہو تو بادام اس میں ضرور ہوتے ہیں۔آلو بخارے کی چٹنی میں بھی بادام ڈالے جاتے ہیں۔بادام کی برفی، بادام کے لڈو، بادام کی کھیر غرضیکہ جس کسی چیز میں بادام شامل ہو جائے اس کا مزہ دگنا ہو جاتا ہے۔

بادام کا شربت بھی تیار کیا جاتا ہے، جو نہایت مزے دار اور روح افزا ہوتا ہے۔بادام کی کھلی کو کنو کے سوکھے چھلکوں میں ملا کر ابٹن کی طرح مالش کیا جاتا ہے۔ٹوتھ پیسٹ کے رواج سے پہلے بادام کے چھلکے جمع کر کے ان کو توے یا کڑاہی پر جلا کر اس میں سیاہ مرچ اور نمک ملا لیتے تھے۔یہ منجن دانت مضبوط رکھتی اور ان سے خون کا اخراج روکتی تھی۔اگر اس میں اخروٹ کا چھلکا ملا لیا جائے تو اور بھی بہتر منجن تیار ہو جاتی ہے۔ایک پرانا مقولہ ہے کہ بادام اور قرآن مجید کی تلاوت حافظہ کو تیز کرتے ہیں۔ایک چھوٹے سے مغز کی اتنی ساری کیفیات اور استعمالات کو دیکھتے ہوئے زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہو جاتے ہیں: **فبای الاء ربکما تکذبان**۔

☆......☆......☆

انتقال پُر ملال

ادارہ ’’کوثر‘‘ کے دیرینہ خیرخواہ اور قلمی معاون محترم جناب پروفیسر عنایت علی خان 26 جولائی 2020ء کو کراچی میں دل کے عارضے کے باعث وفات پا گئے۔ **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون!**

جناب عنایت علی خان 10 مئی 1935ء کو راجستھان کے علاقے ٹونک میں پیدا ہوئے۔نومبر 1948ء میں ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور حیدرآباد میں مقیم ہوئے۔ تدریس کے شعبے سے وابستہ رہے۔ بنیادی طور پر طنز و مزاح کے شاعر تھے' اور اس اسلوب کی وجہ سے انہیں ’’اکبر ثانی‘‘ بھی کہا جاتا تھا۔طنز و مزاح کے علاوہ انہوں نے دوسرے موضوعات پر بھی معیاری شعر کہے ہیں۔ان کی تصانیف کی نام یہ ہیں:

☆ ازراہِ عنایت
☆ عنایات
☆ عنایتیں کیا کیا!
☆ نہایت (انتخابِ کلام)
☆ چنو منو اور شیطان
☆ پیاری کہانیاں
☆ رقعاتِ عنایت علی

ماہنامہ ’’کوثر‘‘ کے انتظامی' ادارتی' اشاعتی' ترسیلی شعبوں سے وابستہ تمام ذمہ داران محترم عنایت علی خان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا گو ہیں۔قارئین سے بھی التماس ہے کہ وہ ان کی مغفرت کے لیے دست بدعا ہوں!

☆......☆......☆

Sa'ad bin Abi Waqas (R.Z)

Saád bin Abi Waqas, who embraced Islam at the age of 17 related: "When my mother heard the news of my Islam, she flew into a rage. She came up to me and said:"O Saád! What is this religion that you have embraced which has taken you away from the religion of your mother and father...? By God, either you forsake your new religion or I would not eat or drink until I die. Your heart would be broken with grief for me and remorse would consume you on account of the deed which you have done and people would censure you forever more.''Don't do (such a thing), my mother,' I said, 'for I would not give up my religion for anything.'However, she went on with her threat... For days she neither ate nor drank. She became emaciated and weak. Hour after hour, I went to her asking whether I should bring her some food or something to drink but she persistently refused, insisting that she would neither eat nor drink until she died or I abandoned my religion. I said to her:'Yaa Ummi! In spite of my strong love for you, my love for Allah and His Messenger is indeed stronger. By God, if you had a thousand souls and one soul after another were to depart, I would not abandon this my religion for anything.' When she saw that I was determined she relented unwillingly and ate

and drank."

Saad ibn Abi Waqqas had many noble qualities which he could be proud of. However, he never arrogantly mentioned any of these merits, except for two great privileges. First, he was the first to throw a spear in the cause of Allah and the first to be struck by one. Second, he was the only one for whom the Prophet, sallallaghu alaihi wasallam, peace be upon him, hoped his parents might be his ransom. That happened when the Prophet said to him on the day of Uhud,

"Throw, Saad. May my father and mother be your ransom." Yes, indeed, he always mentioned proudly these two noble blessings.

Saad used to cry a lot out of piety. Whenever he listened to the Prophet preaching or advising, his tears rolled down unchecked, so that his tears nearly filled his lap.

Once the Prophet, sallallahu alaihi wasallam, peace be upon him, was sitting with the Companions when his eyes gazed on the horizon while listening to what was being revealed secretly and whisperingly. Then he looked at his Companions' faces and said, "A man who belongs to Paradise will soon appear."The Companions turned in all directions trying to learn, who this successful person may be. After a while, Saad arrived.

Later on, Abd Allah ibn Amr ibn Al-Aas asked him persistently to tell him the worship or deed which made him eligible for such a reward. Saad told him, "Nothing

more than what we all do or worship, except that I don't carry any spite or rancour towards any Muslim."

This is the "Lion's Claws" as Abd Ar-Rahman ibn Awf had described him, acting as a shield for the beloved Prophet's body at Uhud. This is the man whom Umar chose for the great day of the Battle of Al-Qadisiyah.

Sa'ad Ibn Abu Waqas, one of the elite 10 promised paradise, the one whose du'aa was always answered, the one who conquered the Persian empire, the one who led an army across a river walking on the water. O where does this man's virtue and status end? It ends in high stations of everlasting Paradise. Allah u Akbar!!
Copied.

Kausar
BANASPATI & COOKING OILS
کچھ خاص ھمارے کھانے میں
KausarCookingOils